اجتماعی ذکر و دُعا میزانِ شریعت میں

از قلم

ابوالمظفر عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

استاذ حدیث جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

ناشر

رحمانی اکیڈمی، گاندھی نگر، چارکوپ، کاندیولی (w)، ممبئی۔ 67

نام کتاب : اجتماعی ذکر و دُعا میزان شریعت میں

نام مؤلف : ابوالمظفر عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

صفحات : ٦٠

طابع : کراؤن پرنٹنگ پریس، ملاڈ (ایسٹ)، ممبئی۔

ناشر : رحمانی اکیڈمی، گاندھی نگر، چارکوپ کاندیولی (w)، ممبئی۔ 67

رابطہ نمبر : 9869395881

قیمت : الوقف للہ

ملنے کے پتے :

١۔ جامعہ رحمانیہ کاندیولی (w) ممبئی۔

٢۔ ندیم بک سنٹر، مصطفیٰ کمپاؤنڈ گاندھی نگر کاندیولی (w) ممبئی۔

٣۔ مکتبہ ترجمان اہل حدیث منزل اردو بازار دہلی۔ ٦

٤۔ دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث، ایل بی ایس مارگ، ١٤/١٥ چوناوالا کمپاؤنڈ، کرلا (w) ممبئی۔

٥۔ مسجد اہل حدیث و مدرسہ اصلاح المسلمین السّلفیہ، ایکتا نگر، کاندیولی (w)، ممبئی۔

٦۔ مدرسہ دار العلوم السّلفیہ، بھارتیہ کملا نگر، انٹاپ ہل، وڈالا، ممبئی۔

مشمولات کتاب

عناوین — صفحہ نمبر

مقدمہ

اسلامی شریعت کے جملہ احکام وقوانین منزل من اللہ ہیں چاہے وحی جلی قرآن مجید میں اسکا بیان ہو یا وحی خفی حدیث رسول میں اسکا ذکر ہو، ہر ایک رب العالمین کی جانب سے نازل شدہ ہے۔ چنانچہ عقائد، عبادات، اخلاق ومعاملات وغیرہ سے متعلق تمام مسائل میں اسلام نے ہمیں واضح رہنمائی دی ہے اور خود نبی پاک ﷺ کی سیرت طیبہ میں اسکے واضح عملی نقوش موجود ہیں۔ اسلام کے جملہ احکام وفرامین میں عبادات کا معاملہ بے حد اہم ہے، معمولی سی غلطی ہمارے عبادات کے فاسد اور باطل ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لئے جب تک قرآن وحدیث میں اسکا ثبوت نہ ہو اور نصوص شرعیہ سے اسکی وضاحت نہ ملتی ہو اس وقت تک وہ قابل عمل نہیں ہو سکتے۔ عبادات کے جملہ مراسم میں ایک اہم ترین عبادت ذکر ودعا بھی ہے جسکے متعلق قرآن وحدیث میں تفصیلی احکامات موجود ہیں قرآن وحدیث کی اسی روشن شاہراہ پر خیر القرون میں صحابہ وتابعین قائم تھے لیکن جوں جوں زمانہ دراز ہوتا گیا ویسے ویسے طرح طرح کی نئی چیزیں عجمی اثرات اور غیر اقوام کی نقالی میں مسلمانوں کے اندر داخل ہونے لگیں یہاں تک کہ عقائد کے چہرہ مصفی کو بالکل بگاڑ دیا گیا اور عبادات اور اسکے صاف ستھرے احکامات کو بدعات وخرافات سے آلودہ کر دیا گیا بالخصوص ذکر ودعا کے باب میں اہل تصوف اور گمراہ فرقوں اور جاہل عوام نے اتنی بدعتیں داخل کر دیں کہ لوگوں نے اسے اصل دین اور صحیح عبادت تصور کرلیا اور ذکر کے نام پر محفلیں، اجتماعی طریقے اور نت نئی کیفیتیں ظہور پذیر ہوئیں اور ہو رہی ہیں یہاں تک کہ مسلمانوں کے ذہن ودماغ پر یہ سوچ غالب کر دی گئی کہ اگر اجتماعی دعا نہ ہو اور ذکر کے لئے محفلوں کا انعقاد نہ کیا جائے تو عبادت ناقص رہ جاتی ہے اور نمازیں مکمل نہیں ہوتیں اور اسطرح ذکر ودعا کی مروجہ شکلوں کو عبادت کا ایک جزء بنا دیا گیا

جبکہ قرآن وحدیث میں اسکا کوئی ثبوت نہیں اور صحابہ کرام وتابعین عظام کی سیرت میں اسکا کوئی وجود نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسطرح کی اجتماعی مجلسوں پر صحابہؓ نے اپنے عہد مبارک میں سخت نکیر کیا تھا اور ایسا کرنے والوں کو گمراہ قرار دیا تھا۔ اسلئے میں نے محسوس کیا کہ شریعت اسلامیہ اور صحابہ کرام کی سیرت طیبہ کی روشنی میں اسکی وضاحت کی جائے اور اہل اسلام کو اس سلسلے میں صحیح معلومات فراہم کی جائیں۔ چنانچہ اس باب میں عالم عرب کے مشہور علماء اور مشائخ کی تحریروں اور انکے فتاوی وآراء سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے فقہاء اسلام اور علماء عظام کے اقوال وآراء کو میں نے قلمبند کرنے کی ایک حقیرسی کوشش کی ہے اور افادۂ عام کیلئے شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ الرحمانی مبارکپوریؒ کا تفصیلی فتویٰ بھی شامل کیا ہے تاکہ حق مکمل واضح ہوجائے اور مستند اہل علم کی تحریروں اور فتاوے سے علماء وعوام الناس سبھی کو استفادہ کا موقع ملے۔ رب العالمین سے دعا ہیکہ وہ اس مجموعہ کو ناچیز کیلئے نجات کا ذریعہ بنائے اور اس سے اہل اسلام کو نفع پہونچائے آمین۔

اخیر میں اس کتاب کی طباعت اور اسے منظر عام پر لانے کا بیڑا اٹھانے والے تمام محسنین کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی نشر واشاعت اور خالص کتاب وسنت اور منہج سلف کی ترویج کیلئے اس کار خیر کو انجام دیا۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ انہیں مزید حوصلہ دے اور دنیا وآخرت کی تمام تر سعادتیں انہیں عطا فرمائے اور اس کار خیر کو انکے لئے آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنائے آمین۔ تقبل اللہ یارب العالمین۔

دعاگو

ابوالمظفر عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

استاد حدیث جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

۳؍جنوری ۲۰۱۳ء مطابق ۲۰؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

فصل أول

اجتماعی ذکر کا مفہوم اور اسکی شرعی حیثیت

۱۔ اجتماعی ذکر سے مراد

۲۔ اجتماعی ذکر کی ابتداء وشروعات

۳۔ اجتماعی ذکر کی مجالس کا باقاعدہ ظہور

۴۔ اجتماعی ذکر ودُعا کی مروجہ شکلیں

۵۔ اجتماعی ذکر ودعا کا حکم

۶۔ عدم جواز کے دلائل

۷۔ جواز کے دلائل اور انکا تجزیہ

۸۔ جواز کے دلائل کا تفصیلی جائزہ اور تردید

اجتماعی ذکر کا مفہوم اور اسکی شرعی حیثیت

اجتماعی ذکر سے مراد :اجتماعی ذکر سے مراد ایک آواز ہوکر کئی لوگوں کا ایک ساتھ ذکر و اذکار کرنا۔ جیسے فرض نمازوں کے بعد یا اس کے علاوہ دیگر اوقات میں چند لوگوں کا اکھٹا ہوکر ایک آواز میں کسی ایک آدمی کے پیچھے یا بلا کسی رہنما کے مل کر ذکر کرنا یا دعا کرنا۔ چنانچہ اس طرح کے ذکر و اذکار اور اس کی مجلسوں میں دو چیزیں ہوتی ہیں :

۱۔ ایک ساتھ آواز بلند کرنا، ۲۔ ایک صیغہ ادا کرنا۔

اجتماعی ذکر کی ابتداء وشروعات : اجتماعی ذکر و اذکار کی اس طرح کی مجلس نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ رسالت میں نہ تو موجود تھیں اور نہ ہی صحابہ کرام اس طرح کی کوئی مجلس رچاتے تھے۔ البتہ آپ ﷺ کے زمانے کے بعد صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں اجتماعی ذکر و دعا کی اس طرح کی بعض مجلسوں کا ظہور ہوا لیکن صحابہ کرامؓ نے اس پر سخت نکیر کیا اور اسے بدعت قرار دیتے ہوئے انجام دینے والوں کو سختی سے منع فرمایا۔ جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اس طرح اجتماعی ذکر کرنے والوں کے بارے میں آپ کو خبر دی گئی تو آپ نے ان لوگوں کو دربار خلافت میں طلب کیا اور دربان سے کہا ایسے لوگوں کے لئے کوڑا تیار رکھو۔ چنانچہ جب یہ لوگ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے ان کے امیر کو مارنا شرع کیا' وہ معذرت کرنے لگے کہ اے امیر المومنین ہم وہ لوگ نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ تو مشرق کی طرف سے آتے ہیں اور اس طرح کی مجلس لگاتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۵۸/۸'بسند حسن، البدع لابن وضاح:ص:۵۴)

اسی طرح کوفہ کی مسجد میں جب بعض لوگوں نے اجتماعی ذکر کی مجلس شروع کی اور اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر پہنچی تو آپ نے اس پر سخت نکیر کیا، مسجد میں آئے اور ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم ہے یا تو تم صریحاً بدعت کررہے ہو اور یا تو تم نبی کے صحابہ سے زیادہ علم والے ہو۔ چنانچہ عمرو بن عتبہ نامی ایک آدمی نے فوراً توبہ کرنا شروع کیا۔ آپ نے نصیحت کرتے ہوئے انہیں آخر میں فرمایا کہ سیدھے راستے کو لازم پکڑو اگر ادھر ادھر دائیں بائیں مڑے تو کھلی ہوئی گمراہی کے شکار ہوجاؤ گے۔ (الدارمی:۶۸/۱، باسناد جید)

اجتماعی ذکر کی مجالس کا باقاعدہ ظہور

اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا باقاعدہ ظہور ۲۱۶ھ میں خلیفہ مامون کے زمانے میں ہوا۔

خلیفہ مامون کے زمانہ میں سرکاری فرمان پر اس طرح کی باقاعدہ ذکر و اذکار کی مجلسیں لگنے لگیں اور مامون نے اسے باقاعدہ پروان چڑھایا اور فروغ دیا۔ جیسا کہ امام طبریؒ نے ۲۱۶ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اسی سال مامون نے اسحاق بن ابراہیم کو خط لکھ کر یہ حکم دیا کہ نمازوں کے بعد فوج کو لے کر بلند آواز سے تکبیر پکارو چنانچہ لوگوں نے مدینہ کی مسجد اور رصافہ کی مسجد میں جمعہ کے دن ۱۶ رمضان ۲۱۶ھ میں ایسا کرنا شروع کیا۔ (تاریخ الامم والملوک:۲۸۱/۱۰)

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں اور اسی سال مامون نے بغداد کے نائب گورنر اسحاق بن ابراہیم کو یہ فرمان بھیجا کہ لوگوں کو پنج وقتہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کا حکم دو۔ (البدایہ والنھایہ لابن کثیرؒ:۲۸۲/۱۰)

اجتماعی ذکر و دعا کی مختلف مروجہ شکلیں : اس طرح کے اجتماعی ذکر و اذکار کی آج ہمارے معاشرے میں کئی شکلیں رائج اور موجود ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ فرض نماز کے بعد باآواز بلند کئی لوگوں کا ایک ساتھ استغفر اللہ یا ذکر کے دیگر کلمات کا ادا کرنا۔

۲۔ نماز کے بعد امام کا بلند آواز سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا اس پر ایک ساتھ آمین کہنا۔

۳۔کسی جگہ یا کسی مسجد میں اکھٹا ہو کر اجتماعی طور پر غروب شمس تک بیک آواز دعا کرنا جیسے کہ تیجانیوں کے یہاں جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اکھٹا ہو کر بلند آواز سے لا الہ الا اللہ کا ورد کیا جاتا ہے۔

۴۔ قبر نبوی یا شہداء کی قبروں یا دیگر لوگوں کی قبروں کی زیارت کے وقت کسی معلم کے پیچھے بلند آواز سے ایک ساتھ کئی لوگوں کا دعائے زیارت قبر پڑھنا۔

۵۔ عیدین کے دن مسجدوں یا عیدگاہوں میں ایک آدمی کا بلند آواز سے تکبیر پڑھنا اور اس کے پیچھے لوگوں کا ایک ہی ساتھ تکبیرات کو دہرانا۔

اجتماعی ذکر کا حکم : اجتماعی ذکر کے جواز اور عدم جواز کے تعلق سے دو طرح کے اقوال پائے جاتے ہیں ۔

۱۔علمائے سلف بشمول صحابہ تابعین اور ائمہ محدثین کا قول یہ ہے کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح کے اجتماعی ذکر اور اس کی محفلوں کا کوئی وجود ہے۔اس لئے یہ نا جائز اور بدعت ہے۔ذیل میں ہم تفصیل کے ساتھ جواز اور عدم جواز دونوں فریقوں کے دلائل کا ذکر کرینگے اور پھر ان کا جائزہ بھی لیں گے۔

۲۔بعض اہل فرق بالخصوص صوفیہ اور ان کے ہم نواؤں کا قول ہے کہ یہ جائز اور درست عمل ہے۔

عدم جواز کے قائلین اور ان کے دلائل

اجتماعی ذکر و دعا کرنا ناجائز ہے جس کے دلائل درج ذیل ہیں :

۱۔نبی اکرم ﷺ نے نہ تو اجتماعی ذکر کا حکم دیا ہے اور نہ ہی اس پر کبھی لوگوں کو ابھارا ہے اور اگر حکم دیا

ہوتا یا ابھارا ہوتا تو کسی نہ کسی حدیث میں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔اسی طرح آپ ﷺ کا صحابہ کرام کے ساتھ نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔امام شاطبی رحمہ لکھتے ہیں۔''**الدعاء بهيئة الاجتماع دائماً لم يكن من فعل رسول الله** ﷺ'' کہ اجتماعی طور پر ہمیشہ دعا کرنا رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت نہیں ہے (الاعتصام للشاطبی:۱/۲۱۹)

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ''**لم ينقل احد ان النبي** ﷺ **كان اذا صلى بالناس يدعو بعد الصلوٰة هو والمامومون جميعالا في الفجر ولا في العصر ولا في غيرها من الصلوات بل قد ثبت عنه انه كان يستقبل اصحابه و يذكرالله ويعلمهم ذكر الله عقيب الخروج من الصلاة** '' کہ کسی نے بھی یہ بات نقل نہیں کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرتے تھے،نہ تو فجر میں نہ ہی عصر یا کسی اور نماز میں بلکہ صرف یہ بات ثابت ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام کی طرف رخ کرتے اور اللہ کا ذکر کرتے اور صحابہ کرامؓ کو اللہ کے ذکر کی تعلیم دیتے تھے۔(الفتاوی الکبری:۲/۴۶۷)

۲۔ صحابہ اور تابعین نے اجتماعی دعا کرنے اور اس مجلس میں شرکت کرنے والوں پر اپنے زمانے میں سخت نکیر کیا ہے جیسا کہ حضرت عمر،عبداللہ بن مسعود اور حضرت خباب رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ثابت ہے اور اگر اس عمل میں ذرہ برابر بھی سنت کی بو ہوتی تو صحابہ اس طرح شدت کے ساتھ اس کا انکار نہ کرتے اور نہ ہی اس کے کہنے والوں کو سخت وسست کہتے اور بدعتی قرار دیتے۔ذیل میں صحابہ کرام کے وہ آثار درج ہیں جن سے ان کا سخت انکار واضح ہے۔

☆ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کے ایک عامل (گورنر) نے انہیں خط لکھا کہ ''**ان هاهنا قوما يجتمعون فيدعون للمسلمين وللأمير** '' یہاں پر کچھ لوگ اکٹھا ہو کر مسلمانوں اور ان کے امیر کے لئے اجتماعی دعا کرتے ہیں,چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ خط پاتے ہی ان لوگوں کو دربار خلافت میں بلا بھیجا اور دربان سے کہا کہ کوڑا تیار رکھو جب یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس داخل ہوئے

توان کے سردار کو حضرت عمرؓ کوڑے مارنے لگے تو میں نے کہا کہ اے امیر المومنین ہم وہ لوگ نہیں جنہیں یہ مراد لیتے ہیں یہ تو وہ لوگ ہیں جو مشرق سے آئے ہیں (البدع لابن وضاح: ۵۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۸/۸؛ اور اس کی سند حسن ہے)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی طرح کا انکار ثابت ہے، ابوالبختری روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن مسعودؓ کو آکر خبر دی کہ کچھ لوگ مغرب کے بعد مسجد میں جمع ہوتے ہیں ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ اتنی بار اللہ اکبر، الحمد للہ، سبحان اللہ پڑھو، عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ جب وہ اس طرح کرنے کے لئے جمع ہوں تو مجھے بتلانا چنانچہ جب خبر ملی تو مسجد میں آئے اور کہنے لگے، اللہ کی قسم یا تو تم کھلی ہوئی بدعت انجام دے رہے ہو اور یا تو صحابہ کرام سے زیادہ تمہارے پاس علم ہے۔ چنانچہ عمرو بن عتبہ نے کہا کہ ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں۔ بالآخر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے انہیں نصیحت کی اور کہا کہ سیدھے راستے کو لازم پکڑو، اگر تم ادھر ادھر جاؤ گے تو کھلی ہوئی گمراہی میں پہنچ جاؤ گے۔ (الدارمی: ۶۸/۱۔۶۹ بسند جید)

☆ حضرت خبابؓ نے اس طرح کی اجتماعی دعا کی مجلسوں پر سخت نکیر کیا چنانچہ ان کے بیٹے عبداللہ بن خباب کہتے ہیں کہ ہم مسجد میں تھے اور کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر سورۂ سجدہ کی تلاوت کرتے اور روتے تھے۔ میرے والد حضرت خباب نے مجھے بلا بھیجا میں پہنچا تو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ وہ میرے اوپر ٹوٹ پڑے، میں نے کہا ابا جان کیا ہو گیا؟ کیا ہو گیا؟ وہ کہنے لگے کہ "**الم ارک جالسا مع العمالقة**" کیا میں نے تم کو عمالقہ (دھوکہ بازوں) کے ساتھ بیٹھے نہیں دیکھا۔ اور پھر کہا "**هذا قرن خارج الان**" کہ یہ تو شیطان کی سینگ ابھی طلوع ہونے والی ہے۔ (البدع لابن وضاح: ص: ۳۲، ومصنف ابن ابی شیبۃ: ۵۵۹/۸)

☆ امام مالک رحمہ اللہ نے رمضان کی راتوں میں ختم قرآن کے لئے اکٹھا ہونے اور اس کے بعد اجتماعی دعا کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ امام شاطبیؒ نے امام مالک کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

سپارے پڑھنے کو امام مالک ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ محدث یعنی بدعت ہے اور سلف صالحین خیر کی طرف ہم سے زیادہ سبقت کرنے والے تھے۔ اگر یہ خیر کا کام ہوتا تو ضرور با ضرور صحابہ اس کی طرف سبقت کرتے۔ (فتاویٰ الشاطبی: ص: ۲۰۶۔۲۰۸)

مذکورہ نصوص و آثار سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اجتماعی ذکر نہ تو مشروع ہے اور نہ ہی اسے کرنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے اور اگر صحابہ و تابعین میں سے کسی نے اس طرح سے ذکر و اذکار کیا ہوتا تو ضرور با ضرور اس کے سلسلے میں کوئی روایت ملتی جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین سے بجائے اس کے جواز و مباح کے اس پر شدید انکار اور اسے غیر شرعی نیز بدعتی قرار دینے کے سلسلے میں بے شمار روایتیں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی ذکر و دعا کا یہ عمل جو مختلف شکلوں میں رائج ہے یہ بدعت اور نو ایجاد شدہ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔

☆ شریعت اسلامیہ نے بدعت اور اس کی ایجاد اور اس پر عمل کو سختی سے منع کیا ہے "**من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد**" (متفق علیہ) اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب اجتماعی ذکر کا کوئی حکم نہیں ہے اور نہ نبی نے اسے کیا ہے تو یہ ایک نو ایجاد شدہ چیز ہے جو بدعت ہے اور ہر بدعت مردود اور نا قابل قبول ہے۔

☆ اجتماعی ذکر ثابت نہیں ہے، اب اس کے بعد کوئی اسے جائز قرار دیتا ہے تو گویا کہ شریعت پر استدراک کرتا ہے اور ایسے امور کو شریعت ٹھہراتا جس کی اجازت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں دیا ہے۔ ﴿**ام لهم شركاء شرعوا لهم من الدين مالم يأذن به الله**﴾ (شوریٰ: ۱۲۱)

ترجمہ: کیا ان کے ساجھی دار ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین میں ایسی چیزوں کو جائز کر دیا ہے جس کی اجازت انہیں نہیں دی گئی ہے۔

☆ اجتماعی طور پر ذکر و اذکار کرنے میں عیسائیوں سے مشابہت ہے جو کہ اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھ کر ایک ساتھ ایک آواز ہو کر گاتے بجاتے اور نصرانی طرز پر دعا و ذکر کرتے ہیں، جبکہ شریعت

اسلامیہ نے یہود ونصاریٰ کی مشابہت سے امت مسلمہ کو دور رہنے کا حکم دیا ہے۔

☆ اجتماعی ذکر ودعا میں مختلف قسم کے مفاسد ونقصانات ہیں جو اس کے جواز کو محل نظر ٹھہراتے ہیں جیسے کہ :

(۱) اجتماعی ذکر واذکار سے مسجد میں دیگر عبادت گزاروں کو تشویش وتکلیف ہوتی ہے اور یہ ان کی ایذاء رسانی اور ان کے خشوع وخضوع کو ختم کرنے کا باعث ہیں اور شریعت اسلامیہ نے اسے منع فرمایا ہے۔

۲) مسلمان کے لئے سکینت و وقار ضروری ہے جبکہ اجتماعی ذکر سے ایک مسلمان اپنی اس اچھی عادت اور حالت سے باہر ہو جاتا ہے۔

۳) اجتماعی ذکر ودعا سے بسا اوقات بعض جاہل اور ناداں قسم کے لوگ جب کوئی محفل دعا وذکر کے لئے نہ پائیں تو ہوسکتا ہے کہ ذکر ودعا کرنا ہی چھوڑ دیں۔

۴) بسا اوقات یہ لوگ قرآن کریم کی بعض آیات یا بعض اذکار مسنونہ کو آسان اور چھوٹی ہونے کی وجہ سے کاٹنے اور توڑنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

جواز کے قائلین کے دلائل اور ان کا تجزیہ

اجتماعی ذکر کے جواز کے قائلین نے بعض دلیلوں کا سہارا لیا ہے :

۱۔ **پہلی دلیل** یہ ہے کہ ذکر کرنے والوں کے سلسلے میں جو نصوص وارد ہیں وہ جمع کے صیغے کے ساتھ ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایک ساتھ ذکر کرنا مستحب ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے کچھ فرشتے مجالس ذکر میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنے بازوؤں سے آسمان تک انہیں گھیر لیتے ہیں مجلس ختم ہونے کے بعد جب آسمان میں واپس آتے ہیں تو باری تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ کہاں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ: **جئنا من عند عباد لک فی الارض یسبحونک و یکبرونک و یکفلونک و یحمدونک و یسئلونک** '' کہ ہم روئے زمین میں تیرے کچھ بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو **سبحان اللہ' اللہ اکبر 'لاالہ الااللہ** اور **الحمد للہ** کہہ رہے تھے اور تجھ سے سوال کر رہے تھے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالی کہے گا کہ میں نے ان کو معاف کر دیا اور جو کچھ انہوں نے مانگا ہم نے انہیں دے دیا اور جس سے انہوں نے پناہ طلب کی ہم نے اس سے انہیں پناہ دے دیا۔ (بخاری: رقم: ۶۴۰۸، مسلم: رقم: ۲۶۸۹)

وجہ استدلال : جواز کے قائلین اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر کے لئے اکٹھا ہونے اور بآواز بلند ذکر کرنے کی فضیلت وارد ہے اس لئے کہ یذکرونک، یسبحونک وغیرہ الفاظ جمع کے صیغے کے ساتھ وارد ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث اجتماعی ذکر کے بارے میں وارد نہیں ہے۔

۲۔ **دوسری دلیل**: ابو شداد بن اوس نے حدیث بیان کی اور حضرت عبادہ بن صامت حاضر تھے انہوں نے تصدیق کی کہتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے، آپ نے پوچھا کہ کیا تم میں

کوئی اجنبی آدمی یعنی اہل کتاب میں سے ہے؟ ہم نے کہا: نہیں کوئی نہیں ہے چنانچہ آپ نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ: ''ارفعوا ایدیکم و قولوا لا الٰه الا الله '' کہ تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور لا الٰه الا الله کہو، چنانچہ ہم نے ہاتھوں کو اوپر کچھ دیر تک اٹھایا اور پھر آپ نے اپنے ہاتھ رکھ دئے، اور کہنے لگے ''الحمد لله اللهم بعثتني بهٰذه الكلمة امرتني بها ووعدتني عليها الجنة انک لا تخلف الميعاد '' کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے یہ کلمہ دے کر مجھے بھیجا اور اس کا حکم دیا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ کیا اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ پھر کہنے لگے ''ابشروا فان الله عزوجل قد غفر لكم '' خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو معاف کر دیا۔ (امام احمد: ۱۲۴/۴)

جواب: (۱) اصلاً یہ حدیث ضعیف ہے اس میں اسماعیل بن عیاش راوی ہے جو کہ مدلس ہے اور اس نے سماع کی صراحت بھی نہیں کی ہے، دوسرے اس حدیث کا مدار راوی راشد بن داؤد پر ہے اور راشد بھی ضعیف ہے۔

(۲) اگر اس حدیث کو بالفرض صحیح مان لیا جائے تو یہ اجتماعی ذکر کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ حدیث بیعت کے سلسلہ میں وارد ہے بالخصوص نبی اکرم ﷺ نے انہیں ہاتھ اٹھانے کا جو حکم دیا تھا وہ بیعت کے لئے تھا اور ذکر میں یہ نہ تو شرط ہے اور نہ ہی مستحب ہے۔

۳۔ تیسری دلیل: وہ تمام حدیثیں جو مجالس ذکر اور اس کے لئے اجتماع اکھٹے ہونے کی فضیلت میں وارد ہیں ان سے لوگوں نے اجتماعی ذکر کے جائز ہونے کی دلیل پکڑی ہے جیسے ابو ہریرہؓ کی روایت ''انا عند ظن عبدی بی '' جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ''وان ذکرني في ملاء ذکرته في ملاء خير منهم '' کہ اگر اس نے مجھے کئی لوگوں میں یاد کیا تو میں بھی اسے ان سے بہتر لوگوں میں یاد کرونگا۔ کچھ لوگوں نے اس ٹکڑے سے اجتماعی ذکر کے جائز ہونے کی دلیل پکڑی

ہے حالانکہ یہ اس ہیئت اور صفت میں ذکر کی بات نہیں ہے جیسا کہ یہ لوگ کرتے ہیں (بخاری رقم: ۷۴۰۵، مسلم: ۲۶۵۷)

۴۔ چوتھی دلیل: وہ حدیثیں جو اجتماعی دعا کے بارے میں وارد ہیں جیسے ابو ہریرہؓ کی روایت کہ ''ان النبي ﷺ رفع يديه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة فقال: اللهم خلص الوليد بن الوليد و عياش بن ابي ربيعة... الخ '' کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو قبلہ رخ ہو کر اٹھایا اور دعا کی کہ اے اللہ۔ ولید بن ولید اور عیاش بن ربیعہ کو نجات دے۔۔۔ الخ

☆ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ تفسیر ابن ابی حاتم اور ابن جریر الطبری میں یہ روایت علی بن زید جدعان سے مروی ہے اور علی بن زید ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۰۴۸/۳، تفسیر الطبری: ۴۳۸/۴)

☆ اور یہ روایت اس صحیح روایت کے بھی خلاف ہے جس میں یہ بات وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا فجر کی آخری رکعت میں قنوت نازلہ میں پڑھی تھی، نہ کہ سلام پھیرنے کے بعد، جیسا کہ بخاری میں وارد ہے۔ (بخاری ۲۲۵/۲۔ ۲۲۶، مسلم: رقم: ۳۹۲، ابوداؤد: ۸۳۶)

☆ اور اسی طرح طبرانی میں ایک روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر کہتے تھے کہ ''ان رسول الله لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته '' کہ نبی ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (المعجم الکبیر: ۳۲۴/۱۳)

لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے اس میں فضل بن سلیمان راوی بالاتفاق ضعیف ہے اور اس میں اجتماعی ذکر و دعا کا کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔

☆ اسی طرح سے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی روایتیں ہیں جن سے ان لوگوں نے

استدلال کیا ہے لیکن ان میں بعض روایتیں تو ضعیف اور غیر ثابت ہیں اور ثابت ہیں تو اجتماعی دعا یا ذکر کی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ صرف انفرادی حالت میں دعا کرنے اور ذکر واذکار کرنے کی دلیل بن سکتی ہے۔

☆ اسی طرح ان لوگوں نے بعض آثار صحابہ وسلف صالحین سے استدلال کیا ہے جیسے حضرت عمرؓ کا منٰی میں بلند آواز سے تکبیر پکارنا جسے سن کر مسجد و بازار والے تکبیر پکارتے تھے اور ان کی آواز گونج اٹھتی تھی۔ حضرت میمونہ بھی یوم النحر کو تکبیر پڑھتی تو دیگر عورتیں بھی حضرات ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے ایام تشریق میں بلند آواز سے تکبیر پکارتیں۔ لیکن یہ دلیلیں ذکر واذکار کی مروجہ شکلوں کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہیں، کیوں کہ ان میں صرف آواز بلند کرنے کی بات ہے ایک ساتھ مل کر ایسا کرنے کا ثبوت نہیں ہے جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

☆ اسی طرح ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اجتماعی ذکر واذکار کی کچھ مصلحتیں اور کچھ فوائد ہیں جن کی وجہ سے یہ جائز ہیں :

ا۔اس میں تعاون علی البر والتقویٰ (نیکی کے کاموں میں تعاون ہے) اور اس کا شرعاً حکم دیا گیا ہے۔

۲۔اجتماعی دعا قبولیت واجابت کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

۳۔عموماً لوگ عربی نہیں جانتے اگر یہ خود دعائیں کرتے ہیں تو لحن جلی کا خدشہ ہے اور لحن کی وجہ سے دعا قبول نہ ہوگی اور اجتماعی دعا میں لحن سے نجات ہے۔

۴۔اس پر اکثر لوگ قائم ہیں اور اکثریت کا عمل اس پر ہے اور نبی ﷺ نے جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے۔

۵۔اجتماعی دعا ایک وسیلہ ہے جس کا مقصد اللہ کی عبادت ہے اور یہ شرعی قاعدہ ہے کہ ''**الوسائل فی حکم المقاصد**'' کہ وسائل کا حکم وہی ہے جو مقاصد کا ہے۔ چونکہ عبادت الٰہی مطلوب امر ہے اس لئے اجتماعی ذکر بھی مطلوب ہوگا۔ ان لوگوں نے اجتماعی ذکر واذکار کو ناجائز کہنے والے لوگوں

کی دلیلوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ ان کی یہ دلیلیں صحیح احادیث کے بالکل خلاف ہیں۔

اجتماعی ذکر کے جواز کے دلائل کا تفصیلی جائزہ اور تردید :

(۱) ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ ذکر کرنے والوں کے مدح وثناء میں جو الفاظ وارد ہیں وہ سب جمع کے صیغہ کے ساتھ ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجتماعی ذکر جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمع کے صیغہ کے ساتھ ان باتوں کا وارد ہونا نہ تو اجتماعی ذکر کے مستحب ہونے کی دلیل ہے اور نہ ہی اس کے جواز کی۔ ہاں اس سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام مسلمانوں کے لئے ذکر کرنا مستحب ہے چاہے وہ اکیلے کریں یا اکھٹے ہوکر کریں یا ظاہری طور پر کریں یا خفیہ طور پر کریں۔

(۲) ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ذکر الٰہی اور اس کی مجلسوں میں اجتماع کی فضیلت وارد ہے اور یہ اجتماعی ذکر کی دلیل ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر الٰہی صرف تسبیحات، ودعا یا زبان سے کہے جانے والے الفاظ کا نام نہیں بلکہ ذکر الٰہی میں ہر وہ قول اور عمل شامل ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اس میں علم، فقہ اور قرآن سیکھنے کی مجلسیں بھی شامل ہیں کیونکہ مجالس کے ذکر کے سلسلے میں جو فضیلت وارد ہے اس سے مراد صرف زبانی ذکر یا تسبیحات ہی نہیں بلکہ یہ عام ہیں جیسا کہ ابونعیم اصفہانی نے اپنی مسند میں حضرت عطاء بن ابی رباح کے حوالہ سے ذکر کیا ہے: ان سے پوچھا گیا کہ ''**ما مجلس الذکر؟** '' کہ ذکر کی مجلس کسے کہتے ہیں تو جواب دیا کہ ''**مجلس الحلال و الحرام و کیف تصلی و تصوم و کیف تنکح کیف تطلق و تبیع و تشتری؟**'' کہ ذکر کی مجلس وہ ہے جس میں حلال وحرام، نماز وروزہ، نکاح وطلاق، اور بیع وشراء یعنی تجارت کے بارے میں بتایا جائے، کہ کیسے انہیں انجام دیا جائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء: ۳/۳۱۳)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ذکر سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے پڑھنے اور بکثرت ورد کرنے کی ترغیب ہے، جیسے ''**سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، اور اللہ اکبر** '' وغیرہ۔ جو

کہ باقیات صالحات ہیں اور اسی طرح ذکر سے مراد دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے دعا مانگنا ہے۔ نیز اس کا اطلاق ان اعمال پر بھی ہوتا ہے جن پر بحیثیت فرض یا نفل مداومت برتنے اور انہیں ہمیشہ انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے تلاوت قرآن، حدیث کی تعلیم وتدریس، دینی علوم کی مدارست اور نوافل نمازوں کا اہتمام وغیرہ۔ (فتح الباری: ۲۵۰/۱۱)

اسی طرح کی تشریح علامہ مبارکپوریؒ نے بھی ذکر کے سلسلے میں تحریر کیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۳۱۴/۹)

اعتراض : اب اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ ذکر کے سلسلے میں وارد الفاظ ذکر کی قسموں میں سے زبانی ولسانی ذکر سے تعلق رکھتے ہیں اور فضائل ذکر کی حدیثوں میں بھی داخل ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اجتماعی ذکر مستحب ہے تو اس کا جواب درج ذیل ہے۔

جواب : ان حدیثوں میں اجتماعی ذکر اور اس کی مشروعیت کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ صرف اللہ کے ذکر پر اکھٹا ہونے کی دلیل ہے اور اجتماعی ذکر اور ذکر کرنے کے لئے اکھٹا ہونے میں فرق ہے کیونکہ ذکر کے لئے اجتماع یا اکٹھا ہونا اس باب میں وارد فضیلت کی حدیثوں کی روشنی میں مستحب ہے لیکن اس کا طریقہ وہی ہے جو صحابہ کرامؓ نے سمجھا اور جس پر ان کا عمل رہا ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام بھی ذکر کے لئے اکٹھا ہوتے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام جب اکٹھا ہوتے تو اس میں کسی ایک کو حکم دیتے کہ وہ قرآن پڑھے۔ چنانچہ ایک آدمی قرآن پڑھتا اور سب سنتے اور حضرت عمرؓ ابوموسیٰ اشعری سے کہتے کہ ہمیں اپنے رب کی یاد دلاؤ یعنی ذکر کرو تو ابوموسیٰ اشعری قرآن پڑھتے اور سب ان کی آواز سنتے۔ (مجموع فتاویٰ: ۵۳۳/۱۱)

امام طرطوشی لکھتے ہیں کہ: یہ حدیثیں قرآن کریم کی تلاوت کے لئے اکھٹے ہونے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، اس معنی میں کہ اسے پڑھا جائے، سیکھا جائے اور باہم مذاکرہ کیا جائے جیسے کہ ایک شاگرد استاد پر پڑھے، یا ایک استاد شاگرد کو سنائے یا دونوں ایسا کریں کہ ایک دوسرے

کو سنائیں پڑھائیں۔ خلاصہ بات یہ کہ یہ حدیثیں ایک اداری اور تنظیمی شکل میں اکٹھا ہو کر پڑھنے کی دلیل ہیں اور اس طرح قاری کا ایک جماعت پر پڑھنا اور انہیں سنانا وغیرہ بھی ہے جیسا کہ عربی زبان میں یہ بات معلوم ہے کہ اگر کچھ لوگ اکٹھا ہو کر اپنے استاد پر قرآن پڑھیں یا ایک آدمی قرآن پڑھے اور سب سنیں تو یہ کہنا درست ہوگا کہ ''**هؤلاء جماعة يدرسون العلم و يقرؤن القرآن و الحديث** '' کہ یہ لوگ اکٹھا ہو کر علم سیکھ رہے ہیں یا قرآن وحدیث پڑھ رہے ہیں اگر چہ پڑھنے والا ایک ہی کیوں نہ ہو۔ (الحوادث والبدع: ۱۶۶: والاعتصام للشاطبی: ۴۶/۱)

(۳) ان کی تیسری دلیل حضرت عمرؓ اور حضرت میمونہؓ سے روایت کردہ بعض آثار ہیں تو ان کا جواب یہ ہے کہ یہ اجتماعی ذکر کے سلسلے میں صریح اور واضح نہیں ہے جیسا کہ اس کی مروجہ شکلیں ہیں بلکہ اس میں تو صرف اتنی بات ہے کہ لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اقتداء کرتے ہوئے انہیں کی طرح بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور حاجیوں کی کثرت اور آواز کے ایک دوسرے میں ملنے اور خلط ملط ہونے کی وجہ سے پورا منیٰ تکبیروں سے گونج اٹھی۔ اس سے یہ بات نہ سمجھنی چاہئے کہ حضرت عمرؓ آگے آگے تکبیر کہتے پھر خاموش رہتے اور لوگ ان کے پیچھے بیک آواز اسے دہراتے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ائمہ اربعہ میں سے کسی سے ضرور ایسا منقول ہوتا جیسا کہ یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے مذکورہ آثار سے وہی سمجھا جس کا تذکرہ ہم نے ابھی کیا نہ کہ اجتماعی ذکر کرنے والوں کی طرح سے۔ اور اسی طرح حضرت میمونہؓ کے اثر کا بھی یہی جواب دیا جائے گا کہ اس میں بھی صرف عورتوں کا مردوں کے ساتھ مسجد میں حضرت عمرؓ ہی کی طرح تکبیر کہنا ہے۔

☆ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے مروی اس اثر کے بارے میں یہ بات بھی ثابت ہے کہ انہوں نے ذکر کے لئے اس طرح جمع ہونے والے لوگوں کو سزا بھی دی تھی جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

☆ تیسری وجہ یہ کہ حضرت عمرؓ سے اس طرح کی تکبیر اور لوگوں کا اس کے پیچھے دہرانا صرف حج اور

ایام منیٰ میں ثابت ہے،اس کے علاوہ کسی اور وقت میں ثابت نہیں ۔اب اگر اسے عام کر دیا جائے اوراس کی بنیاد پر مسجدوں،گھروں اور نماز کے بعد مختلف اوقات میں اجتماعی ذکر کو جائز کہا جائے تو یہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام سے اس سلسلے میں وارد آثار کے خلاف بات ہوگی۔

(۴) ان کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ اجتماعی ذکر واذکار میں کئی مصلحتیں اور بے شمار فوائد ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ :

(الف) ان کا یہ کہنا کہ اس میں یہ فائدہ ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون ہوتا ہے تو یہ قول درست نہیں کیونکہ اگر یہ نیکی پر تعاون ہوتا تو نبی اکرم ﷺ کا عمل اس کے مخالف نہ ہوتا بلکہ آپ بھی اس میں آگے رہتے اور آپ کے صحابہ کرام ہمہ وقت نمازوں کے بعد دیگر اوقات میں اس نیک عمل کو انجام دیتے،لیکن یہ بات معلوم ہے کہ اس طرح سے کسی بھی صحابی سے کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے ان کا یہ دعویٰ باطل و بے بنیاد ہے۔

(ب) ان کا یہ کہنا کہ اجتماعی ذکر دعاؤں کی قبولیت کا ایک بڑا ذریعہ ہے تو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اگر ایسا ہوتا تو نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں آپ یا صحابہ کرامؓ اس میں پیچھے نہ رہتے بلکہ دن میں پانچ مرتبہ ضرور ایسا کرتے اس لئے معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے اور ہمیں صرف سنت رسول ﷺ کی اقتداء کرنی چاہئے۔

(ج) انکا یہ کہنا کہ اجتماعی ذکر سے عام لوگ دعا میں غلطی کرنے اور لحن کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ :

☆ دعا کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس میں لحن نہ ہو بلکہ اس کے لئے خلوص،نیتوں کی پاکیزگی اور نبی کے طریقے کی اتباع شرط ہے۔

☆ فتوحات اور اسلامی سلطنت کے دائرہ کار کی وسعت کے بعد صحابہ کرامؓ بلاد عجمیہ میں گئے اور عجمی لوگ بکثرت ان کے ذریعہ مسلمان ہوئے ان عجمیوں کے یہاں لحن عام بات تھی لیکن پھر بھی

صحابہ کے زمانے میں لحن سے بچنے کے لئے اس طرح کی اجتماعی مجلسوں کا وجود نہیں ملتا بلکہ صحابہ تو اس کے شدید مخالف رہے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔

☆ لحن کا سہارا لے کر اسے جائز قرار دینا تو دور کی بات ہے کیونکہ دعا تو ایک مستحب امر ہے جبکہ صحابہ کرامؓ تو قرآن مجید کی تلاوت میں لحن سے بچنے کے لئے اور عوام کو اس سے محفوظ رکھنے کے لئے اس طرح کا طریقہ نہ اختیار کرتے کہ مسجدوں میں نمازوں کے بعد بیٹھ کر اجتماعی طور پر قرآن پڑھا جائے اور اس کی تلاوت کی جائے۔(الاعتصام للشاطبی:۱/۴۶۰)

☆ ان کا یہ کہنا کہ یہی لوگوں کا عمل رہا ہے اور صدیوں سے مسلمانوں کی جماعت اسی پر قائم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات شریعت اسلامیہ کے خلاف لوگوں کا نام لے کر حجت قائم کرنا ہے جو کہ بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔کیونکہ معاملہ یہ ہونا چاہئے کہ دین وشریعت کے ذریعہ لوگوں پر حجت قائم کی جائے نہ کہ لوگوں کو شریعت کے برخلاف حجت بنایا جائے۔اور رہی بات عام لوگوں کی اتباع اور ان کے پیچھے چلنے کی تو یہ عین گمراہی ہے،قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی بڑی مذمت کی ہے۔فرمان باری ہے:﴿وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ﴾ کہ اگر تم روئے زمین میں اکثریت کی اتباع کروگے تو یہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دینگے۔(انعام:۱۱۶) اور ہمیں تو لوگوں کی اطاعت اور پیروی کا پابند نہیں بنایا گیا ہے بلکہ ہم تو شریعت کی رو سے صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور پیروی کے پابند ہیں۔

ابوعلی شاذان کے واسطے ایک مرفوع سند میں ابوعبداللہ بن اسحاق الجعفری کا قول ہے کہ عبداللہ بن حسن بن علیؓ امام ربیعہ کے پاس باہر بیٹھتے تھے،ایک دن باہم یہ تذکرہ ہوا تو ایک آدمی نے مجلس میں کہا کہ اس پر تو لوگوں کا عمل نہیں ہے تو عبداللہ نے جواب دیا کہ تم بتلاؤ اگر جاہلوں کی کثرت ہو جائے یہاں تک کہ وہ حاکم بن جائیں تو کیا وہ سنت رسول ﷺ کے خلاف حجت مانے جائیں گے؟امام ربیعہ نے کہا:میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کے بیٹوں کا کلام ہے۔(الاعتصام

للشاطبی:۱/۴۶۰) اس روایت میں عبداللہ بن حسنؒ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جاہلوں اور بدعتیوں کی کثرت اور ان کا لوگوں پر مسلط ہونا اور بدعت کی ترویج و اشاعت کرنا یہ سنت اور شریعت کے خلاف کوئی حجت نہیں ہے اور کسی کے فعل یا عمل وکردار سے شریعت کی مخالفت کرنا یا اسے حجت بنانا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

(۵) ان کا یہ کہنا کہ اجتماعی ذکر ایک وسیلہ ہے اور بحیثیت ایک وسیلہ اس کا وہی حکم ہے جو اصل غایت اور مقصد کا ہے اور اجتماعی ذکر کا مقصد اللہ کی عبادت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

۱۔ یہ قاعدہ کوئی عمومی قاعدہ نہیں ہے بلکہ یہ کچھ مخصوص موارد اور جگہوں کے لئے خاص ہے، چنانچہ یہ قاعدہ صرف انہیں چیزوں کے لئے خاص ہے جو شریعت میں وارد ہیں چاہے وسائل ہوں یا مقاصد اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض چیزیں بسا اوقات مباح اور جائز ہوتی ہیں اور کبھی کبھار واجب ہو جاتی ہیں۔ اس کے باوجود اس کے وسائل یا تو مکروہ ہوتے ہیں یا حرام جیسے کہ ایک آدمی وضوء کے پانی کو حاصل کرنے کے لئے چوری کرے، یا غصباً پانی حاصل کرے تو یہ اگر چہ وضوء جیسے نیک کام کا وسیلہ ہے لیکن حرام ہے۔

۲۔ اسلاف کرام کا عمل بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ عبادات کے سلسلے میں بڑی چھان بین کرتے تھے اور کبھی کبھی اس سلسلے میں وسائل اور مقاصد کی طرف اور ان میں فرق کی جانب کوئی توجہ نہ دیتے تھے۔(علم اصول البدع:ص:۲۴۶)

(۶) ان کا یہ کہنا کہ اجتماعی ذکر کے سلسلے میں وارد ممانعت کی روایتیں (آثار) ان حدیثوں سے معارض ہیں جو اس کی فضیلت کے باب میں وارد ہوئی ہیں چنانچہ ان احادیث کو آثار پر مقدم کیا جائیگا۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہمیں تو ان احادیث کی تشریح و توضیح سلف صالحین کے انہیں آثار اور اس سے ماخوذ صحیح فہم وفکر کی روشنی میں ہی کرنی چاہئے۔ اور یہ آثار تو ان حدیثوں کے اسی معنی ومفہوم کو واضح کرتے ہیں جو کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور امام سیوطی کا یہ کہنا کہ اس سلسلے میں وارد

عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر کی کوئی سند نہیں ہے تو یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ اثر دیگر سندوں کی وجہ سے صحیح کے درجہ تک پہونچتا ہے جیسا کہ امام دارمی نے اپنی سنن میں اور ابن وضاح نے البدع میں ذکر کیا ہے۔(باب ماجاء فی البدع: رقم:۹،۱۲،۱۸،۱۹،۲۰،۲۲)

اور قابل تعجب بات یہ ہے کہ اس چیز کو امام سیوطیؒ نے بھی اپنی کتاب ’(الامر بالاتباع والنہی عن الابتداع:ص:۸۳)، میں ذکر کیا ہے۔

زحیلی کی ایک غلط فہمی کا ازالہ اور جواب: زحیلی نے لکھا ہے کہ نماز کے بعد اجتماعی دعا کو بدعت قرار دینا درست اور صحیح نہیں ہے(البدع المنکرۃ:ص:۴۷) تو یہ انکی غلط فہمی ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ قول کہ ’’یہ صحیح نہیں ہے‘‘ یہ ایک شرعی حکم ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ایسا کہنا جائز نہیں تو سوال یہ ہے کہ شرعی حکم کہاں سے آیا ہے اور معتبر اہل علم میں کس نے ایسا کہا ہے؟ اور یہ حقیقت ہے کہ اس پر نہ تو قرآن سے کوئی دلیل ہے اور نہ ہی حدیث رسول ﷺ سے کوئی دلیل موجود ہے۔ اور ان کا یہ قول کہ ’’اجتماعی دعا کرنے کے سلسلے میں متأخرین کا مسلسل عمل چلا آرہا ہے۔(البدع المنکرۃ:ص:۴۷-۴۸) تو اس کا یہ جواب ہے کہ اجتماعی عمل شریعت یا سنت کے خلاف حجت نہیں بن سکتا حجت تو صرف نصوص اور رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عمل ہوسکتا ہے، متأخرین کا عمل ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ اسی طرح زحیلی کا عبداللہ بن مسعود کے بارے میں یہ کہنا کہ حقیقت یہ ہے ان کا انکار اجتماعی ذکر پر نہیں تھا بلکہ ان کے اس دعوے پر تھا کہ وہ دوسروں سے اجتہاد میں بہتر ہیں۔(البدع المنکرۃ:ص:۴۸،۴۹)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے اور جن لوگوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر کو روایت کیا ہے انہوں نے تو اس سے یہی سمجھا ہے کہ یہ اجتماعی ذکر کے سلسلے میں ان کا انکار ہے اور ایسے ہی حضرت خبابؓ کا اپنے بیٹے پر انکار کرنا بھی ہے۔ تو کیا ان

لوگوں کے یہاں بھی اس طرح کا شذوذ تھا کہ وہ دوسروں سے اجتہاد میں بہتر ہیں جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ پتہ چلا کہ یہ انکار صرف اور صرف انکے اس طرح کے اجتماع ہوکر ذکر کرنے پر تھا جو کہ اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ گیا۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ ان کے وہ تمام دلائل جس سے یہ لوگ اجتماعی ذکر کی محفلوں کے جواز پر حجت پکڑتے ہیں سب کے سب کمزور، بے بنیاد اور باطل ہیں اسلئے ثابت یہ ہوا کہ اجتماعی ذکر اور اس کی محفلیں منعقد کرنا کسی بھی صورت میں قطعاً درست نہیں ہے۔

فصل دوم

اجتماعی ذکر و دعا کے بدعت ہونے سے متعلق اہل علم کے اقوال وفتاوے

١۔امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ۔

٢۔احناف کا طرز عمل امام کے برخلاف ہے۔

٣۔امام مالکؒ کا فتویٰ۔

٤۔امام شافعیؒ کا فتویٰ۔

٥۔محدث یحییٰ بن معینؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فتویٰ۔

٦۔امام زرکشیؒ اور ابن الحاجؒ کی صراحت

٧۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا قول۔

٨۔علامہ رشید رضاؒ کی وضاحت۔

٩۔شیخ العثیمینؒ کا خلاصہ

١٠۔شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کا بیان۔

اجتماعی ذکرودعا کے بدعت ہونے سے متعلق اہل علم کے اقوال وفتاوے

اس سے پہلے اجتماعی ذکر کے متعلق سلف صالحین کا موقف بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک بدعت اور نوایجاد شدہ چیز ہے جسے نہ تو نبی اکرم ﷺ اور نہ ہی صحابہؓ اور آپ کے بعد اہل ایمان اور اسلاف نے انجام دیا ہے اور یہی حکم اجتماعی دعا کے سلسلے میں بھی ہے چاہے وہ فرض نماز کے بعد ہو یا دوسری جگہوں میں سب کے سب بدعت ہیں۔سوائے ان جگہوں کے جن کے سلسلے میں دلیل وارد ہے اور اس سلسلے میں تفصیل گذر چکی ہے۔ہم یہاں اسی تعلق سے چند فقہاء اور علماء کے مزید اقوال کا تذکرہ کریں گے جو کہ درج ذیل ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ : امام علاءالدین کا سانی حنفی نے اپنی کتاب ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' میں امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا دراصل بدعت ہے کیوں کہ یہ ذکر ہے اور اس میں سنت یہ ہے کہ آواز بلند نہ کی جائے بلکہ اسے چھپایا جائے۔فرمان باری ہے﴿ادعوا ربکم تضرعاً و خفیة﴾(اعراف:۵۵)(بدائع الصنائع:۱/۱۹۶)

اورحدیث میں ہے''خیر الدعاء الخفی''یعنی بہترین دعا وہ ہے جو چپکے سے کی جائے۔(مسند احمد:۳/۴۴،صحیح ابن حبان:۳/۹۱:ص:۸۰۹،مجمع الزوائد:۱۰/۸۱) اس لئے کہ بلند آواز سے دعا نہ کرنا بلکہ اسے پوشیدہ رکھنے ہی میں ادب اور گریہ وزاری ہے اور ریاء ودکھاوے سے دوری ہے۔بنابریں دعا اور ذکر میں اس قاعدہ کو چھوڑ کر دوسری چیز پر اس وقت تک عمل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کوئی خاص دلیل وارد نہ ہو۔

احناف کا طرز عمل ان کے امام کے برخلاف ہے۔

شارح ترمذی علامہ مبارک پوریؒ اپنی شرح تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں کہ احناف ہمارے اس زمانے میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر مواظبت اور ہمیشگی کرتے ہیں گویا کہ یہ چیز ان کے یہاں واجب ہے اس لئے یہ لوگ نماز کے بعد مسنون اذکار جیسے''اللھم انت السلام''وغیرہ پڑھ کر بلا دعا کے اٹھ جانے والوں پر نکیر بھی کرتے ہیں۔حالانکہ ان کا یہ عمل ان کے امام ابوحنیفہ کے قول اور اسی طرح فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کے بیان کے بھی مخالف ہے۔(تحفۃ الاحوذی:۱/۲۴۶)

امام مالکؒ کا فتویٰ: اجتماعی ذکر کے سلسلے میں امام مالکؒ کا قول جیسا کہ محمد بن احمد المالکی نے اپنی کتاب الدرالثمین میں لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک ائمہ مساجد اور کئی لوگوں کا مل کر فرض نمازوں کے بعد جہراً دعا کرنا مکروہ ہے۔(الدرالثمین والموردالمعین محمدالمالکی:ص:۱۷۳)

امام شاطبیؒ نے اپنی کتاب الاعتصام میں اس تعلق سے ایک واقعہ ذکر کیا ہے ،لکھتے ہیں: کہ ایک عظیم الشان سخت گیر آدمی ابن مجاہد نامی ایک آدمی کے پاس مسجد میں گیا اور ابن مجاہد مالکی مذہب کی تقلید میں فرض نماز کے بعد دعا نہیں مانگتے تھے، چنانچہ اس آدمی کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور غصہ میں آکر ابن مجاہد کو دعا مانگنے کا حکم دیا اور کہنے لگا کہ اگر دعا نہیں مانگی تو تلوار سے گردن ماردونگا ،لوگوں نے خوف محسوس کیا اور ابن مجاہد سے یہ معاملہ ذکر کیا۔ابن مجاہد نے مسکراتے ہوئے کہا کہ خوف نہ کرو اللہ کی قدرت سے کل اس کی گردن خود ماردی جائے گی۔چنانچہ ہوا ایسے ہی کہ چند آدمی مسجد سے نکل کر اس کے گھر پہونچے اور صبح سویرے اس کی گردن ماردی گئی۔(الاعتصام للشاطبی:۲/۲۷۵)

امام شافعیؒ کا فتویٰ : اجتماعی ذکر کے سلسلے میں امام شافعیؒ کا مذہب جیسا کہ کتاب الام میں ذکر ہے فرماتے ہیں: کہ امام اور مقتدی کے لئے بہتر ہے کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد ذکر و اذکار کریں اور آہستہ کریں، الا یہ کہ امام کا لوگوں کو تعلیم دینا مقصود ہو تو ایسی صورت میں آواز بلند کیا جاسکتا ہے اور تعلیم دینے کے بعد پھر آہستہ ذکر و اذکار کرے گا۔فرمان باری ہے ﴿ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها﴾(اسراء:۱۰۰) کہ اپنی دعا کو نہ تو زیادہ بلند کرو اور نہ ہی آہستہ۔اور اس سے مراد دعا ہے''ولا تجھر'' کا معنی ہے کہ آواز بلند نہ کرو،اور''ولا تخافت'' کا معنی ہے کہ اتنا آہستہ نہ کرو کہ خود نہ سن سکو۔(الام للشافعی:۱/۱۱۱)

امام نوویؒ نے اپنی مایہء ناز کتاب المجموع میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ اور آپ کے اصحاب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ذکر کرنا مستحب ہے اور یہ امام، مقتدی، تنہا نماز پڑھنے والے، مرد وعورت اور مسافر ہر ایک کے لئے ہے البتہ لوگوں نے جو یہ عادت بنالی ہے کہ امام خاص طور پر فجر اور عصر کی نماز میں دعا کرے تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (المجموع للنووی:۳/۴۶۵،۴۶۹)

اسی طرح دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ہر نماز کے بعد ذکر و دعا کرنا مندوب ہے اور اسے سراً کیا جائے گا، اور اگر امام لوگوں کو تعلیم دینا چاہتا ہے تو جھراً بھی کرسکتا ہے لیکن جب لوگ سیکھ جائیں تو پھر سراً دعا کرے۔(کتاب التحقیق للنووی:ص:۲۱۹)

امام نوویؒ کے مذکورہ استدلال سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نماز کے بعد اجتماعی دعا کرنا درست نہیں ہے۔

محدث یحییٰ بن معینؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا فتویٰ : فضل بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ اور احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ ہمارے یہاں کچھ لوگ اکھٹا ہوکر دعا

کرتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں اور ذکر واذکار کرتے ہیں، ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ امام یحییٰ ابن معین نے جواب دیا کہ قرآن پڑھیگا اور نماز کے بعد دعا کرے گا، اور اپنے جی ہی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا۔ میں نے عرض کیا ایک بھائی تو اکھٹا ہوکر ایسا ہی کرتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کو روکو۔ میں نے کہا کہ وہ نہیں مانے گا، کہنے لگے نصیحت کرو، میں نے کہا اگر نہ مانے تو کیا میں اس سے ترک تعلق کرلوں؟ کہا: ہاں! پھر جب میں امام احمدؒ کے پاس آیا اور ان سے بھی میں نے یہی بیان کیا تو آپ نے فرمایا: قرآن پڑھے اور اپنے جی ہی میں اللہ کا ذکر کرے اور حدیث رسول کو پڑھے اور تلاش کرے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اسے اس کام سے منع کروں تو آپ نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا: اگر نہ مانے، کہنے لگے کیوں نہیں اگر اللہ نے چاہا تو ضرور مانے گا کیوں کہ یہ اور ان کا اکھٹا ہونا اور جو صورت تم نے بیان کی سب کے سب بدعت ہیں۔ (الآداب الشرعیۃ:۲/۱۰۲، فصل فی حکم اجتماع الناس للذکر والدعاء الخ)

امام زرکشیؒ اور ابن الحاجؒ کی صراحت : ابن الحاج کہتے ہیں: مناسب یہ ہے کہ نماز سے پہلے یا بعد میں یا دیگر اوقات میں مسجد میں اکھٹا ہوکر ذکر کرنے والوں کو روکا جائے کیوں کہ یہ تشویش کا باعث ہیں۔(اصلاح المساجد للقاسمی:۱۱۱)

امام زرکشی لکھتے ہیں: تمام اذکار میں سنت یہی ہے کہ اسے سراً انجام دیا جائے سوائے حج میں تلبیہ ''لبیک اللھم لبیک'' پکارنے کے۔(اصلاح المساجد للقاسمی:ص:۱۱۱)

الدرر السنیہ میں تحریر ہے کہ: امام اور مقتدیوں کے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کے سلسلے میں مجھے فقہاء کی طرف سے کوئی قابل اعتبار بات نہ ملی۔ شیخ تقی الدین لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ اور مقتدی حضرات سلام پھیرنے کے بعد دعا کرتے تھے۔ بلکہ آپ صرف ذکر واذکار کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔(الدرر السنیہ:۴/۳۵۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رحمہ اللہ کا قول : علامہ ابن تیمیہؒ اور انکے شاگرد علامہ ابن القیم نے بھی فرض نمازوں کے بعد یا اسی طرح اکٹھا ہوکر ذکر و دعا کرنے کو نا جائز اور بدعت قرار دیا ہے اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا ایک ساتھ دعا کرنا نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور یہ بھی تحریر کیا کہ اگر نماز کے بعد ہمیشگی کے ساتھ یہ عمل کیا جائے تو یہ بدعت ہے۔(دیکھئے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۲/۴۹۲)

علامہ رشید رضاؒ کی وضاحت : فتاویٰ رشید رضا میں یہ بات درج ہے کہ مسجدوں میں نمازوں کو اجتماعی طور پر بلند آواز سے ختم کرنا ایسی بدعت ہے جسے لوگوں نے ایجاد کرلیا ہے اور اگر اس میں وہ اذکار شامل کریں جو سنت سے ثابت ہیں تو یہ اضافی بدعتوں میں سے ہو گا (الدررالسنیہ :۳۵۸/۴)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: یہ سنت نہیں ہے کہ لوگ نماز کے بعد اجتماعی شکل میں بآواز بلند ذکر و اذکار کریں یا دعا وغیرہ کریں کیوں کہ اس میں اکٹھا ہونا اور شریک ہونا نیز آواز بلند کرنا یہ سب بدعت ہیں (الدررالسنیہ :۳۵۹/۴)

شیخ عثیمینؒ کا خلاصہ : شیخ عثیمینؒ لکھتے ہیں کہ امام کے سلام پھرنے کے بعد ایک ہی آواز میں مل کر ایک ساتھ اجتماعی دعا کرنا اس سلسلے میں مجھے اس کی مشروعیت کے تعلق سے کوئی دلیل یا اصل کا علم نہیں ہے۔(الدررالسنیۃ :۳۱۸/۴)

شیخ صالح الفوزان کا بیان: شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ لکھتے ہے کہ : موجودہ زمانے میں عبادات کے میدان میں جو بدعتیں ایجاد کرلی گئیں ہیں وہ بہت زیادہ ہیں، عبادات میں اصل بنیاد تو توقیف ہے اس لئے بلا دلیل اس میں کسی چیز کو جائز نہیں کہا جا سکتا چنانچہ جس عبادت کی دلیل

نہ ہو تو وہ بدعت میں شمار ہوگی اور پھر آپ نے کئی بدعتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ: ”و منھا الذکر الجماعی بعد الصلوٰۃ لان المشروع ان کل شخص یقول الذکر الوارد منفرداً “ کہ ان بدعتوں میں سے نمازوں کے بعد اجتماعی ذکر بھی ہے کیونکہ مشروع اور ثابت تو یہ ہے کہ ہر شخص تنہا اپنے ذکر کو انجام دے۔(الارشاد الی صحیح الاعتقاد:ص:۳۸۹)

فصل سوم

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا حکم

(۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تصریحات

(۲) شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانیؒ کا تفصیلی فتویٰ

(۳) فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کے سلسلے میں کوئی مقبول حدیث نہیں

(۴) فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کے بدعت ہونے کے سلسلے میں چند قابل توجہ امور

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا حکم

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اجتماعی طور پر نمازوں کے بعد دعا کرنا بدعت ہے اور اس میں صرف اتنا جائز ہے کہ کسی سبب کی وجہ سے ہو جیسے بارش کی دعا کسی پیش آمدہ خوف کی وجہ سے دعا مانگنا وغیرہ چنانچہ اس سلسلے میں امام شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''اگر ہم یہ مان لیں کہ اجتماعی طور پر بعض اوقات میں مساجد کے ائمہ دعا کریں جیسے قحط سالی یا کسی پیش آمدہ خوف کی وجہ سے تو یہ جائز ہوگا اور اگر یہ بلا کسی سبب کے ہو تو خطرہ ہے کہ یہ بدعت میں شمار ہو جائے۔(الاعتصام ۲/۲۳)

چنانچہ یہ بات واضح ہوگئی کہ مطلقاً دعا کی مشروعیت تو ثابت ہے لیکن اجتماعی طور پر نمازوں کے بعد دعا کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اس لئے یہ بدعت ہے۔البتہ بعض حدیثوں میں نماز کے بعد دعا کی مشروعیت وارد ہے لیکن نہ تو اجتماعی شکل میں اور نہ ہی اسے لازم سمجھ کر کہ نماز کا ایک حصہ ہے۔اسلئے اگر بلا کسی سابق ارادہ کے کبھی کبھار دعا کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اگر کچھ لوگ اکٹھا ہو جائیں اور کوئی سابق پروگرام نہ ہو تو دعا کرنا جائز ہے بشرطیکہ ایسا بار بار نہ کیا جائے کہ یہ عادت بن جائے (اقتضاء الصراط المستقیم ۳۰۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا رحمہ اللہ کا قول: علامہ ابن تیمیہؒ سے نماز کے بعد دعا کے مسئلے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرض نماز کے بعد حدیثوں میں وارداذ کار ودعاؤں کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ ''**اما دعاء الامام و المامومين جميعاً عقب الصلوٰة لم ينقله احد عن النبي** ﷺ'' کہ نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا ایک ساتھ دعا کرنا اللہ کے نبی ﷺ سے منقول نہیں ہے(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۳/۵۱۵) اس طرح دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: تلاوت قرآن، ذکر ودعا کے لئے اکٹھا ہونا ایک مستحب اور بہترین عمل ہے جبکہ اسے مستقل عادت نہ بنایا

جائے اوراس میں کوئی بدعت داخل نہ ہو۔۔۔۔۔۔اوراگرنماز کے بعد ہمیشگی کے ساتھ بالالتزام ایسا کیا جائے تو یہ بدعت ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ ،صحابہ کرامؓ اورسلف صالحین سے ایسا منقول نہیں ہے۔ (دیکھئے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ:۲۲/۴۹۲،الفتاویٰ الکبریٰ ۱۷/۱۸۸، اقتضاء الصراط المستقیم۲۰۳)

شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانیؒ کا تفصیلی فتویٰ :

فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کرامام اورمقتدی کے دعا کرنے کے سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں شیخ الحدیث فرماتے ہیں۔

(۱) پنجگانہ فرض نمازوں سے سلام پھیرنے کے بعد اذکار ماثورہ پڑھ کریابغیر پڑھے ہوئے امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کرزورزور سے دعا مانگنا اورمقتدیوں کا ہاتھ اٹھا کر زورزور سے آمین آمین کہتے جانا۔ دعا کی یہ ہیئت کذائی،نہ رسول اللہ ﷺ سے صراحۃً منقول ہے،اورنہ آپ کے بعد صحابہؓ سے،نہ بسند صحیح نہ بسند ضعیف۔

البتہ فرض نمازوں کے بعد آنحضرت ﷺ کا بلند آواز سے دعا کرنا متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے اورثابت ہے۔ملاحظہ ہو’’عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی‘‘میں حدیث ام سلمہ:۱۰۸،حدیث ابوبکرہ:۱۰۹حدیث انس ابن مالک:۱۱۰،حدیث زید بن ارقم:۱۱۱،حدیث ابوامامہ:۱۱۳،حدیث انس بن مالک:۱۱۷،وحدیث:۱۱۸،وحدیث ابوبرزہ اسلمی:۱۲۴ وحدیث عبادہ بن الصامت:۱۲۵ اور ملاحظہ ہو:مجمع الزوائد۱۰/۱۱۰میں حدیث عائشہ بروایت طبرانی فی الاوسط،وحدیث ابی الملیح بن اسامہ عن ابیہ بروایت بزاز،وحدیث انس بن مالک بروایت طبرانی فی الاوسط والبزار،نیز حدیث انس بروایت بزار،ونیز حدیث انس بروایت طبرانی فی الاوسط،وحدیث ابی ایوب بروایت طبرانی فی الصغیر والاوسط،وحدیث ام سلمہ بروایت طبرانی فی الصغیر،وحدیث ابوبرزہ اسلمی بروایت طبرانی،و

حدیث ابوموسیٰ بروایت طبرانی فی الاوسط،ان میں سے بعض روایتیں کتب سنن میں بھی مروی ہیں، ان احادیث میں سے اکثر متکلم فیہ ہیں جیسا کہ حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے،لیکن ان میں سے کسی پر موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا‘اورمجموعی طور پران سے فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد امام کا بلند آواز سے دعا کرنا ثابت ہوتا ہے۔ہاں البتہ ان سب میں اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے بلند آواز سے دعا اس لئے نہیں کی تھی کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز یعنی:زور زور سے دعا کرنے کی مشروعیت بیان فرمائیں،بلکہ آپ کا اونچی آواز سے دعا کرنا محض اس مقصد سے تھا کہ لوگوں کو فرض نماز کے بعد نفس دعا کرنے کی مشروعیت معلوم ہوجائے،جیسا کہ اکثر علماء اہل حدیث نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اوردعاؤں کو بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کی یہی توجیہ کرتے ہیں یاامام شافعی نے’’**الجھر بالذکر بعد السلام من المکتوبۃ**‘‘کی روایات کو تعلیم امت **لمشروعیتہ بعد السلام من المکتوبۃ** پرمحمول کیا۔

فرض نمازوں کے بعد دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرنا بھی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔کما سیاتی۔جن روایات میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر آیا ہے،اگرچہ ان میں سے ہرایک پر کلام کیا گیا ہے،مگر وہ کلام ایسا نہیں ہے کہ جس سے ان احادیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جاسکے کما سیجیء۔اس لئے ان سے امام کے لئے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا جواز یا استحباب ثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔اور چونکہ کسی روایت سے اس طرح دعا کرنے کی خصوصیت آنحضرت ﷺ کے لئے یاامام کے لئے ثابت نہیں ہے،اس لئے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا،امام اورمقتدی دونوں کے لئے جائز ہوگا۔واللہ اعلم۔

جولوگ امام کی دعا پر مقتدیوں کے زورزور سے آمین آمین کہنے کے قائل ہیں۔ان کے اس قول کی بنیاد قیاس ہے۔وہ دعا بعد المکتوبۃ کو دعاءِ قنوت نازلہ پر قیاس کرتے ہیں۔آنحضرت ﷺ سے قنوت نازلہ میں مستضعفین مکہ کے حق میں رکوع سے سراٹھانے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا

کرنا اور آپ کے پیچھے مقتدی صحابہ کا آمین آمین کہتے جانا ثابت ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ دعا کی اس ہیئت کذائی کے قنوت نازلہ کے ساتھ مخصوص ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ لہٰذا فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد بھی امام کے دونوں ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا کرنے پر مقتدیوں کا زور زور سے آمین کہنا جائز ہونا چاہئے۔

فرض نماز کے بعد امام کی دعاء پر مقتدیوں کے آمین کہنے کے جواز پر اس حدیث کے عموم سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جو مجمع الزوائد: ۱۰/۱۷۰ میں بایں الفاظ مذکور ہے: ''**عن ابی هريرة عن حبيب بن مسلمة الفهری و كان مستجابا، انه قال للناس: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يجتمع ملاء فيدعو بعضهم ويومن سائرهم الا اجابهم الله، الحديث رواه الطبرانی قال الهيثمی بعد ذكره: رجاله رجال الصحيح، غير ابن لهيعة، وهو حسن الحديث** '' انتهی۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مقتدیوں کو عام طور پر ادعیہ ماثورہ یاد نہیں ہوتیں اور ان کو اپنی زبان میں دعا کرنے میں تکلف یا جھجک محسوس ہوتی ہے اسلئے یا تو وہ خاموش رہ کر امام کی دعا سننے پر اکتفا کرتے ہے۔ یا امام کے ہر دعائیہ جملہ پر آمین آمین کہتے ہیں۔ اور امام کے آہستہ دعا کرنے کی صورت میں بالکل چپ بیٹھے رہتے ہیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ امام بلند آواز سے دعا کرے اور مقتدی خاموش رہنے کے بجائے بلند آواز سے آمین آمین کہہ کر اللہ سے دعا کی قبولیت کی درخواست اور سوال کریں۔

ہمارے نزدیک اولیٰ اور اقرب الی السنہ یہ بات ہے کہ امام سلام پھیر کر اذکار ماثورہ پڑھنے کے بعد مقتدیوں کی طرف مڑ کر دونوں ہاتھ اٹھا کر ادعیہ ماثورہ و غیر ماثورہ سرا پڑھے، اور مقتدیوں کے لئے جائز ہے کہ ہاتھ اٹھا کر ادعیہ ماثورہ آہستہ آہستہ پڑھیں، اور اگر ادعیہ

ماثورہ یاد نہ ہوں تو اپنی اپنی خواہش اور حاجت کے مطابق اپنی زبان میں دعا کریں، خواہ یہ اجتماعی شکل میں ہوں یا انفرادی صورت میں۔ ارشاد ہے: ''**ادعوا ربكم تضرعا و خفية** '' اور آنحضرت ﷺ کا جہر کے ساتھ دعا کرنا جیسا کہ احادیث محولہ بالا سے معلوم ہوتا ہے بیان مشروعیت **جہر بالدعاء بعد السلام من المکتوبہ او من التطوع** کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ بظاہر دعا بعد السلام کی تعلیم کے لئے اور اس کی مشروعیت بیان کرنے کے لئے تھا۔ واللہ اعلم۔

اور کسی امر کے بطور عبادت مشروع و مسنون ہونے کے لئے نص خاص صریح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے قیاس کافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

رہ گئی حبیب بن مسلمہ فہری کی حدیث۔ تو اس کے عموم سے استدلال کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ صلوٰۃ مکتوبہ یا تطوع کے بعد کی دعا کے علاوہ دوسرے اوقات کی ہنگامی دعاؤں پر محمول ہے۔ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ مرتبہ مسجد نبوی میں نماز باجماعت ہوتی تھی۔ صحابہ کا جم غفیر آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ اگر آپ ﷺ کا اور صحابہؓ کا دعا کی مذکورہ مروجہ ہیئت کذائی پر عمل ہوتا، یعنی: آپ ﷺ کی دعا کے ساتھ صحابہ کے آمین آمین کہنے کا دستور ہوتا تو ضرور منقول ہوتا۔ محرک و دواعی نقل موجود ہونے اور مانع کے مرتفع ہونے کے باوجود عدم نقل، دلیل ہے عدم وقوع اور ترک کی، لہٰذا حبیب بن مسلمہ فہری کی حدیث سے اس ہیئت کذائی پر استدلال مخدوش ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے فرض نماز کے بعد امام کی دعا میں مقتدیوں کے شریک ہو کر آمین کہنے پر ابن ابی حاتم کی محولہ روایت سے جو تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے استدلال نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کے استدلال کی بنیاد صرف اس قدر ہے کہ دعا کے ساتھ آمین کہنا چونکہ شرعا ثابت ہے اور مقتدی امام کی دعا میں شریک ہو جاتے ہیں، اس لئے اس اجتماعی دعا میں وہ آمین کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اصولاً ثابت شدہ امر عام رکھنا چاہئے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ استدلال مخدوش

ہے جیسا کہ حبیب بن مسلمہ کی حدیث سے استدلال کے جواب میں گذر چکا ہے کہ یہ عموم اس خاص صورت کے علاوہ کے لئے ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) وہ احادیث کہ جن سے فرض نماز کے بعد دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرنے کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، ان میں سے پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ آپ نے تفسیر ابن کثیر سے نقل کئے ہیں۔ جس کے الفاظ یوں ہیں: **عن ابی ھریرة انّ رسول اللہ ﷺ رفع یدہ بعد ما سلم و ھو مستقبل القبلة فقال: اللھم خلص الولید ابن ولید وعیاش بن ابی ربیعه الخ** ۔۔۔ اس حدیث کو ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا ذکر نہیں ہے۔

اس حدیث پر سنداً اور معنی دونوں طرح کلام کیا گیا ہے، اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان واقع ہیں اور وہ متکلم فیہ راوی ہیں۔ حافظ نے ''تقریب'' میں اور اکثر محدثین نے انہیں ''**ضعیف سئی الحفظ**'' بتایا ہے اور امام ترمذی نے ان کے بارے میں کہا ہے ''**صدوق، الا انه ربما رفع الشئی الذی یو قفه غیرہ**'' اور ساجی نے کہا ہے: ''**کان من اھل الصدق و یحتمل لروایة الجلة عنه، و لیس یجری مجری من اجمع علی ثبته**'' اور عجلی کہتے ہیں ''**کان یتشیع لا باس به، و قال مرة: یکتب حدیثه و لیس بالقوی**'' اور یعقوب بن شیبہ نے کہا ''**ھو ثقة صالح الحدیث، والی اللین ما ھو**'' اور تہذیب التہذیب (۳۲۴/۷) میں ہے: **روی له مسلم مقرونا بغیرہ**'' اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علی بن زید مختلف فیہ راوی ہیں اور ایسے راوی کی روایت کردہ حدیث ضعیف تو کہی جا سکتی ہے لیکن نا قابل اعتبار و استشہاد نہیں ہوتی اور اس پر موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بالخصوص جبکہ اس کی مؤید دوسری غیر موضوع روایات موجود ہوں۔

اور معنوی کلام اس میں یہ کیا جاتا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کے متعدد ابواب

میں روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں اس کی تصریح ہے کہ آپ نے دعاء مذکور نماز میں مانگی تھی۔ نیز یہ کہ یہ مخصوص دعاء قنوت تھی جو رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کی گئی تھی۔ اس کا فرض نماز کے بعد دعاء کے مروج طریقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے جواب میں بطور تطبیق کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے دعا مذکور نماز کے اندر رکوع کے بعد بھی کی تھی اور نماز سے سلام پھیرنے کے بعد بھی مانگی تھی، بخاری کی روایت میں پہلی صورت کا ذکر ہے اور ابن ابی حاتم اور ابن جریر کی روایت میں دوسری صورت کا، مستضعفین کی خلاصی کے لئے دعاء نماز کے اندر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

دوسری حدیث حضرت انس کی ہے جسے ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ ص: ۴۸ میں عبد العزیز بن عبدالرحمٰن القرشی عن خصیف عن انس کے طریق سے روایت کیا ہے۔ شروع کے الفاظ یہ ہیں: ''**ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلاة، ثم یقول: اللھم الٰھی و اله ابراھیم و اسحاق و یعقوب**'' الخ اس حدیث پر بھی سنداً کلام کیا گیا ہے۔ اس کے راوی خصیف بن عبد الرحمٰن کے بارے میں حافظ لکھتے ہیں: ''**صدوق سئی الحفظ خلط بآخرہ**'' اور ابن حبان نے لکھا ہے: ''**و ترکه جماعة من ائمتنا واحتج به آخرون و کان شیخاً صالحاً فقیهاً عابداً، الا انه کان یخطی کثیراً، فیما یروی و یتفرد عن المشاھیر بما لا یتابع علیه، ھو صدوق فی روایته، الا أن الانصاف فیه قبول ما وافق الثقات فی الروایات، و ترک مالم یتابع علیه، وقد حدث عبدالعزیز عنه عن انس بحدیث منکر ولا یعرف له سماع من انس**'' **انتھی کذا فی تھذیب التھذیب ۱۴۴/۳ .**

اور خصیف کے شاگرد عبدالعزیز بن عبد الرحمٰن قرشی ''میزان الاعتدال'' (۶۳۱/۲، رقم الترجمة: ۵۱۱۲) کے رجال میں سے ہیں حافظ ذھبی ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ''**عبد العزیز بن عبد الرحمٰن البالسی عن خصیف، اتھمه الامام احمد، و قال ابن حبان: کتبنا عن عمر بن سنان عن اسحاق بن خالد عنه نسخة شبیھا بمائة حدیث مقلوبه' منھا**

مالااصل له،و منها ما هو ملزق بانسان لا يحل الاحتجاج به،و قال النسائی وغیره:لیس بثقة،و ضرب احمد بن حنبل علی حدیثه"انتهی اورحافظ"تہذیب التہذیب"(۱۴۴/۳)میں خصیف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:"قال ابن عدی:اذا حدث عن خصیف ثقة فلا بأس بحدیثه و روایاته،الا ان یروی عنه عبد العزیز بن عبدالرحمٰن،فان روایاته عنه بواطیل،و البلاء من عبدالعزیز لا من خصیف"انتهی. معلوم ہوا کہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن عن خصیف عن انس کی یہ روایت سخت مجروح اورضعیف ہےاورصرف یہ تنہا اس لائق نہیں ہے کہ اس سے رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلاة المکتوبة پراستدلال کیا جائے۔واللہ اعلم۔

تیسری حدیث عبداللہ بن زبیر کی ہے جسے حافظ ہیثمی نے"مجمع الزوائد"۱۶۹/۱۰ میں بایں الفاظ ذکر کیا ہے:"عن محمد بن ابی یحییٰ قال رأیت عبد الله بن زبیر،ورأی رجلا رافعاً یدیه،یدعو قبل ان یفرغ من صلاته،فلما فرغ منها قال:اِن رسول اللهﷺ لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلاته،قال الهیثمی:رواه الطبرانی و ترجم له فقال :محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی عن عبدالله بن الزبیر،ورجاله ثقات" انتهی محمد بن ابی یحیٰ مذکورابوداؤد،ترمذی فی الشمائل،نسائی،ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں انکو حافظ نے صدوق لکھا ہےاورعجلی نے ان کی توثیق کی ہےاورابن شاہین نے ان کے بارے میں کہا کہ"فیہ لین" معلوم ہوا کہ یہ روایت حسن سے کم درجہ کی نہیں ہے۔

چوتھی حدیث اسودعامری عن ابیہ کی ہے۔جو بحوالہ ابن ابی شیبہ بایں لفظ ذکر کی جاتی ہے:"عن الاسود العامری عن ابیه قال:صلیت مع رسول اللهﷺالفجر،فلما سلم انحرف و رفع یدیه و دعا"الحدیث:حضرت الشیخ علامہ مبارک پوری"تحفہ"۲۴۶/۱ میں لکھتے ہیں"رواه ابن ابی شیبة فی مصنفه،کذا ذکر بعض الاعلام هٰذا الحدیث بغیر

سندو عزاه الی المصنف،و لم اقف علی سنده فالله تعالیٰ اعلم کیف هو؟صحیح أو ضعیف؟"انتهی کلام الشیخ :اس روایت کوانہیں لفظوں کے ساتھ شیخ محی الدین مرحوم نے"البلاغ المبین"میں اورمولانا سیالکوٹی نے"صلوٰۃ الرسول"میں لکھا ہے،جیسا کہ آپ نے اپنے سوال میں تحریر فرمایا ہے۔اوراسی طرح"فتاویٰ نذیریہ"۲۴۵/۱،۳۵۲ میں بھی مرقوم ہے۔ غالبًا مولانا سیالکوٹی نے یہ روایت"فتاویٰ نذیریہ"۲۶۵/۱-۲۶۶ سے لی ہے۔ فتاویٰ ۲۶۵/۱ میں یہ روایت بایں لفظ مذکور ہے:"عن الاسود بن عامر عن ابیه قال: صلیت مع رسول اللهﷺ الفجر،فلما سلم انحرف ورفع یدیه و دعا"الحدیث. فتاویٰ میں تینوں مقام پر یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے'معلوم نہیں کہ ان تینوں مقام کے اصل مفتی حضرات(مولوی عین الدین،مولوی عبدالغفور،مولوی عبدالرحیم مرحومین)نے اصل کتاب"مصنف ابن ابی شیبہ" سے براہ راست نقل کی ہے یا کسی اور کتاب سے؟ کہ جس کے مصنف نے یہ حدیث مذکورہ سند اور لفظ کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہو۔واللہ اعلم۔

بہرحال یہ روایت فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر دلالت کرنے میں صریح ہے،اورجس قدر ٹکڑا سند کا"فتاویٰ نذیریہ" کے تینوں مقاموں میں مذکور ہے بالخصوص ص:۲۶۵ میں،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسود عامری تابعی ہیں۔اوران کے باپ کا نام عامر ہے،اوروہ صحابی ہیں جنہوں نے آنحضورﷺ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کرنے اورسلام پھیرنے کے بعد آپ کے مقتدیوں کی طرف منہ پھیر کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو دیکھا ہے،اوراپنے بیٹے اسود سے اس واقعہ کو بیان کیا ہے،اوران تینوں مقاموں میں"الحدیث"یا"الخ" کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث"مطولا" مروی ہے جس کو خود مصنف یا کسی راوی نے مختصراً بیان کیا ہے،یا مذکورہ مفتی صاحبان نے حدیث کا بقیہ حصہ حذف کر کے"الحدیث"یا"الخ" لکھ کر اس کی

طرف اشارہ کر دیا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کے دو ابتدائی جزء جو مولانا عبدالتواب صاحب ملتانی مرحوم کے اہتمام سے لیتھو پر طبع ہوئے ہیں اور تین ابتدائی حصے جو ٹائپ پر مطبع عزیزیہ حیدر آباد دکن میں ۱۳۸۶ھ میں چھپے ہیں اور اس کے دس اجزاء مطبوعہ الدار السّلفیہ ممبئی اس وقت ہمارے سامنے ہیں اس حدیث کے ذکر کے لئے دو مقام اور محل مناسب ہیں: ایک: "**كتاب الصلوٰة باب الانحراف بعد السلام**" اور دوسرا مقام: "**كتاب الادعية، باب الدعاء برفع اليدين بعد السلام**" کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الادعیہ میں تو یہ حدیث مذکورہ آخری سند و لفظ کے ساتھ موجود نہیں ہے، اور ہم کو اطمینان نہیں ہے کہ مذکورہ سند و الفاظ محفوظ ہوں۔

اولاً: اس وجہ سے کہ ہمارے پاس موجودہ اسماء الرجال کی کتابوں میں "اسود بن عامر" یا "اسود عامری" نام کا تابعی اور "عامر" نام کا صحابی جس سے ان کے بیٹے اسود اس واقعہ کو روایت کرتے ہوں نہیں ملے۔

دوسرے: یہ کہ مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۵ مطبوعہ ملتان اور ۱/۳۰۲ طبع حیدر آباد "**من كان يستحب اذا سلم ان يقوم او ينحرف**" میں ایک حدیث بایں سند و الفاظ مذکور ہے: "**حدثنا هشيم قال نا يعلى بن عطاء عن جابر بن يزيدبن الاسود العامرى عن ابيه قال: صليت مع رسول الله ﷺ، فلما سلم انحرف**" اور ۴/۲۷۳ "**باب يصلى فى بيته ثم يدرك جماعة**" میں بھی یہ مروی ہے کما سیاتی۔ یہ روایت سنداً صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، یعلی بن عطاء کے استاد جابر بن یزید بن الاسود العامری ثقہ تابعی ہیں۔ اور ان کے والد یزید بن الاسود صحابی ہیں۔ جن سے ان کے لڑکے جابر بن یزید یہ واقعہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ منیٰ میں فجر کی نماز ادا کی اور جب آپ نے سلام پھیرا تو قبلہ کی طرف سے رخ پھیر کر مقتدیوں کی طرف کر لیا۔ اس روایت میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا

ذکر نہیں ہے۔ کما تریٰ۔

تنبیہ: واضح ہو کہ مصنف ابن ابی شیبہ طبع ملتان میں "جابر بن یزید بن الاسود العامری" کے بجائے جابر بن یزید عن الاسود العامری" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "اسود العامری" کوئی راوی ہیں جن سے "جابر بن یزید" روایت کرتے ہیں۔ غالباً مولانا عبدالتواب ملتانی کے اصل قلمی نسخہ میں یوں ہی یعنی "جابر بن یزید عن الاسود" رہا ہوگا جس پر انکو تنبیہ نہیں ہوا، اور اصل کے مطابق جوں کا توں چھاپ دیا، لیکن ہمارے نزدیک سند میں تصحیف ہوگئی ہے یعنی: اصل میں یزید بن الاسود تھا "بن کی بجائے ناسخ کی غلطی سے "عن" ہوگیا، اس قسم کی تصحیف کا ہو جانا ذرا بھی مستبعد نہیں۔

"فتاویٰ نذیریہ" کے تینوں مفتی حضرات کے سامنے بھی مصنف کا یہی نسخہ رہا ہوگا جس میں "بن الاسود" کے بجائے "عن الاسود" ہے۔ اور مصنف طبع حیدر آباد میں "یزید بن الاسود" یا "یزید عن الاسود" کے بجائے "یزید الاسود" طبع ہوا ہے "بن" یا "عن" سرے سے ساقط ہوگیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بھی غلط ہے۔ صحیح۔ "یزید بن الاسود" ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث سنن ابو داؤد (کتاب الصلوٰۃ (۶۶۴) ۱/۴۰۹) (عون المعبود ۱/۲۳۷) "**باب الامام ينحرف بعد التسليم**" میں اور سنن نسائی (۳/۶۷ کتاب الصلوٰۃ) **باب الانحراف بعد التسليم**" اور سنن کبریٰ بیہقی (۲/۱۸۲) "**باب الامام ينحرف بعد السلام**" میں بطریق ابوداؤد اس طرح مروی ہے:

"**يحيى عن سفيان حدثنى يعلى بن عطاء عن جابر ابن يزيد بن الاسود عن ابيه، انه صلى مع رسول الله ﷺ صلوٰة الصبح، فلماصلى انحرف**" هذالفظ **النسائى، و لفظ ابى داؤد: "قال: صليت خلف رسول الله ﷺ، فكان اذا سلم انحرف**" اور حافظ "اصابہ" ۳/۶۱۴ میں لکھتے ہیں: "**يزيد بن الاسود العامرى و يقال الخزاعى، روى عن النبى ﷺ انه صلى خلفه، فكان اذا انصرف انحرف، روى**

عنه جابر ابن یزیدولده، وحدیثه فی السنن الثلاثه بهٰذا وغیره ''معلوم ہوا کہ یزید مذکوراسود کے بیٹے ہیں اور صحابی ہیں جن سے ان کےلڑکے جابر بن یزید واقعہ مذکورہ روایت کرتے ہیں۔پس مصنف کی سندیوں ہونی چاہئے۔''عن جابر بن یزیدبن الاسود العامری عن ابیه.''

فتاویٰ نذیریہ کے تینوں مقاموں میں روایت مذکور کے آخر میں الحدیث یاالخ کے ذریعہ جس طویل روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اسی سند کے ساتھ مسند احمد (۱۶۱/۴)، ترمذی مع التحفہ (۱۸۸/۱)، ابوداؤد مع العون (۲۲۵/۱)، نسائی (۹۹/۱)، دارقطنی (ص:۱۵۸/۱۵۹)، مستدرک حاکم (۲۴۵/۱)، بیہقی (۲۰۱/۱) صحیح ابن حبان، صحیح ابن السکن، مصنف عبدالرزاق ۴۲۱/۲، مسند ابو داؤدالطیالسی، معرفۃ الصحابہ لابن مندۃ، المصنف لابن ابی شیبہ (۲۷۴/۲۔۲۷۳) ''باب یصلی فی بیته ثم یدرک جماعة''میں مروی ہے۔

جامع ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: ''هشیم نا یعلی بن عطاء ناجابر بن یزیدبن الاسود عن ابیه قال:شهدت مع النبی ﷺ حجته،فصلیت معه صلوٰة الصبح فی مسجد الخیف ،فلما قضی صلوته انحرف،فاذا هو برجلین فی اخری القوم لم یصلیا معه،فقال:علی بهما فجئی بهما تر عدفرائصهما،فقال:ما منعکما ان تصلیا معنا؟فقالا:یا رسول الله انا کناقد صلینا فی رحالنا،قال:فلا تفعلا اذاصلیتما فی رحالکما،ثم اتیتمامسجد جماعة فصلیا معهم فانهانافلة''(ترمذی/الصلاۃ رقم ۲۱۹)
اسی کے قریب دوسری مذکورہ کتابوں کے الفاظ بھی ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ مختصر اور مطول دونوں میں سے کسی روایت میں بھی ''ورفع یدیه فدعا'' کی زیادتی موجود نہیں ہے اور سند میں ''جابر بن یزیدبن الاسود العامری عن ابیه'' یعنی: ''بن الاسود'' کے بجائے ''عن الاسود'' یا ''بن'' کے حذف کے ساتھ ساتھ صرف ''الاسود'' غلط ہے۔ہماری اس تحقیق کی بناء پر قائلین دعا برفع الیدین بعد السلام عن المکتوبه کی چوتھی

دلیل قابل اطمینان ولائق قبول نہیں رہ جاتی۔واللہ اعلم۔

فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا کرنے کے ثبوت میں وہ احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں جن میں بلا وقت کی تعیین کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مذکور ہے۔یا ہاتھ اٹھ کر دعا کرنے کی فضیلت وارد ہے۔جو تحفۃ الاحوذی وغیرہ میں مذکور ہے۔

ہمارے نزدیک فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد بغیر التزام کے امام اور مقتدیوں کا ہاتھ اٹھا کر آہستہ آہستہ دعا کرنا جائز ہے،خواہ انفرادی شکل میں ہو یا اجتماعی شکل میں۔ہمارا عمل اسی پر ہے پانچوں نمازوں کے بعد اجتماعی شکل میں دعا کرنے کا التزام نہیں ہے۔غرض یہ ہے کہ دعا کبھی ہاتھ اٹھا کر کی جاتی ہے،اور کبھی بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے،اور کبھی اجتماعی شکل میں اور کبھی مفرداً۔ہماری تحقیق میں یہی صورت اقرب الی السنہ ہے۔اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کا بلند آواز سے دعا مانگنا اور مقتدیوں کا ہاتھ اٹھا کر زور زور سے آمین کہتے جانا اور امام اور مقتدیوں کی دعا کی اس ہیئت کذائی کو موکد سمجھ کر اس کا التزام کرنا یہ طریقہ سنت سے بعید ہے اور میرے نزدیک مجدالدین فیروز آبادی صاحب سفر السعادہ اور حافظ ابن القیم اور امام ابن تیمیہ کے مذکورہ کلاموں کا جنہیں آپ نے سوالوں میں ذکر کیا ہے یہی محمل ہے۔مطلقا دعا کرنے کا خواہ ہاتھ اٹھا کر ہو یا بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے اس کا انکار مقصود نہیں ہے۔حضرت نواب والا جاہ مرحوم ''دلیل الطالب'' ۳۲۳/۱ میں سفر السعادہ سے اس کے مصنف کا مذکورہ کلام نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''مراد نفی دوام است بهیئت کذائی الیوم و الا دعا بعد از فریضه ثابت است کما تقدم''انتهی.هذا ما ظهرلی و العلم عندالله تعالی :

(فتاویٰ شیخ الحدیث ۳۰۵/۱۔۳۱۳)

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کے ثبوت میں کوئی مقبول حدیث نہیں ہے

ڈاکٹر شفیق الرحمٰن اپنی کتاب نماز نبوی میں تحریر کرتے ہیں۔فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کے ثبوت میں کوئی مقبول حدیث نہیں ہے۔نہایت تعجب کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال رہے، پانچوں وقت نمازیں پڑھائیں' صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد نے آپ کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں مگر ان میں سے کوئی ایک بھی اجتماعی دعا کا ذکر نہ کرے۔تو یہ اس کے بطلان کی واضح دلیل ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کہتے ہیں اگر کوئی انفرادی طور پر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔امام ابن تیمیہ' ابن قیمؒ' ابن حجر رحمھم اللہ اجمعین اور بہت سے محققین علماء نے فرض نماز کے بعد مروجہ اجتماعی دعا کا انکار کیا ہے اور اسے بدعت کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو پانی کے استعمال میں اور دعا کرنے میں حد سے تجاوز کریں گے۔'' (ابوداؤد، رقم ۱۴۸۰ حاکم اور ذھبی نے اسے صحیح کہا ہے)

اجتماعی دعا کی دلیل میں بیان کی جانے والی تمام روایات ضعیف ہیں' تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جو بندہ ہر نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کرے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کو نامراد نہیں لوٹاتا۔(ابن السنی ۱۳۸/)

اس کی سند میں (الف) اسحاق بن خالد ہے جو منکر احادیث بیان کرتا ہے۔(ب) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ (اس کے ایک اور راوی) عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کی خصیف سے بیان کردہ روایات جھوٹی اور من گھڑت ہوتی ہیں۔(ج) خصیف کا انسؓ سے سماع معلوم نہیں (د) علاوہ

ازیں اس روایت میں اجتماعی دعا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۲) یزید بن اسود عامریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کا سلام پھیرا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔(فتاویٰ نذیریہ)

اس حدیث کی سند حسن ہے مگر مولانا عبیداللہ رحمانی مرحوم لکھتے ہیں: ''کتب احادیث کے اندر اصل حدیث میں ((ورفع یدیہ فدعا)) (دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی) کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔'' علاوہ ازیں اس میں بھی اجتماعی دعا کا ذکر نہیں ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیرؓ دعا کرتے تھے اور (آخر میں) اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے منہ پر پھیرتے تھے۔(الادب المفرد للبخاری اس کی سند بخاری کی شرط پر ہے) تاہم اس میں بھی جماعت کے بعد اجتماعی دعا کا ذکر نہیں (دیکھئے نماز نبوی۔۲۱۰۔۲۱۲)

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کے بدعت ہونے کے سلسلے میں چند قابل توجہ امور

شیخ عبدالرؤف عبدالمنان نماز نبوی پر معرکۃ الآراء کتاب صلوٰۃ الرسول کی تحقیق و تخریج کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ اس سلسلے میں چند امور قابل توجہ ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا ایک مستقل عبادت ہے جو غیر مؤقت ہے یعنی کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے البتہ جن مواقع پر اسکا اہتمام کرنا سنت سے ثابت ہے ان کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) جو عبادت ہر وقت جائز ہو اگر آپ اپنی سہولت کے لئے اسے کسی خاص وقت میں روزانہ کرنا چاہتے ہیں تو اصولی طور پر یہ بھی جائز ہے ارشاد نبوی ہے: ''اللہ تعالیٰ کو وہ عمل زیادہ محبوب ہے جس پر ہیشگی کی جائے اگر چہ تھوڑا ہو'' ((مسلم/صلوٰۃ المسافرین/باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ/حدیث ۷۸۲)) لیکن کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تمام جائز اوقات کو چھوڑ کر صرف ایک وقت کو عملاً فرض کا درجہ دے کر دوسرے مسلمانوں کو اس کا پابند بنائے کیونکہ جب شریعت نے

اس وقت کو مسلمانوں پر مقرر نہیں کیا تو یہ کیوں کرے؟ مثلاً اگر مختلف افراد روزانہ مختلف اوقات میں قرآن پاک کی مختلف سورتیں پڑھتے ہیں تو یہ جائز عمل ہوگا۔لیکن اگر کوئی مولوی صاحب یہ دعوت دینا شروع کردیں کہ ''تمام اہل اسلام روزانہ نماز فجر کے بعد بیس مرتبہ سورہ ''القمر'' پڑھا کریں،اس کا یہ ثواب ہے'' پھر اس کے حلقۂ اثر میں آنے والے تمام مسلمان واقعتاً سختی کے ساتھ اس کی پابندی شروع کردیں تو ان کا یہ عمل محتاج دلیل بن جائے گا،اگر شرعی دلیل میں اس کی صراحت آجائے تو سنت ہوگا ورنہ بدعت۔

(۳) جو عبادت ہر وقت جائز ہو اگر آپ اسے کسی خاص موقع پر کرنا چاہتے ہیں تو احتیاطاً یہ معلوم کرلیں کہ کہیں اس موقع کے لئے شریعت نے کوئی فرض تو مقرر نہیں کیا؟ کیونکہ اگر اس موقع کے لئے شریعت نے کوئی فرض عائد کیا ہے تو پھر فرض ترک کرکے جائز کام میں لگے رہنا قطعاً جائز نہیں ہے مثلاً نماز باجماعت کھڑی ہو اور جس نے یہی نماز جماعت کے ساتھ پہلے نہیں پڑھی اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ جماعت میں شامل ہونے کی بجائے سنتیں یا نوافل پڑھتا رہے،کوئی ورد وظیفہ،دعا یا تلاوت کرتا رہے کیونکہ ان جائز نیکیوں کو مؤخر کرنے کی گنجائش موجود ہے لیکن موقع کے فرض کو بلاوجہ مؤخر کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

(۴) اگر اس خاص موقع کے لئے شریعت نے کوئی سنت مقرر کر رکھی ہے تو بھی جائز کام کو چھوڑ کر سنت کو ترجیح دی جائے گی اگرچہ سنت فرض نہیں،اسے کیا جائے تو بہت زیادہ ثواب ہے اور اگر کسی وجہ سے کبھی چھوٹ جائے تو کوئی گناہ نہیں مگر ایک موقع کی سنت کو جب ہمیشہ ترک کیا جائے گا تو گناہ لازم آئے گا کیونکہ سنت چھوڑنے کے لئے نہیں بلکہ اپنانے کے لئے ہوتی ہے،اسے اپنانا ہی حب رسول ﷺ کا تقاضا ہے جبکہ اسے چھوڑے رکھنا اس سے بے رغبتی کی دلیل ہے اور ارشاد پاک ہے : ''جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں'' ((بخاری،النکاح،باب(۱)حدیث ۵۰۶۳)) اس کی مثال فرض نماز کے بعد ((لا الہ الا اللہ))

کا اجتماعی ورد ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ((لا الہ الا اللہ)) افضل الذکر (سب سے افضل ذکر) ہے لیکن اسے کسی بھی وقت کرنا جائز ہے اور چونکہ فرض نماز کے بعد والا وقت بھی اوقات میں سے ایک وقت ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی فرض نماز کے بعد اپنے طور پر ((لا الہ الا اللہ)) کہہ دیتا ہے تو بالکل جائز ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فرض نماز کے فوراً بعد نبی اکرم ﷺ کا معمول اور سنت کچھ اور ہے تو پھر ہر فرض نماز کے بعد ہمیشہ ((لا الہ الا اللہ)) کا ورد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس موقع کی سنت کو ختم کردیا جائے کیونکہ ((لا الہ الا اللہ)) کا ورد مؤخر ہوسکتا ہے لیکن نماز کے بعد والے مسنون اذکار و دعاؤں کو ہمیشہ مؤخر کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے،ویسے بھی کورس کی شکل میں بلند آواز سے ((لا الہ الا اللہ)) کے اجتماعی ورد کی پورے عہد نبوت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

(۵) اگر کسی موقع کی سنت کے ساتھ ایک اور سنت آملے تو دونوں سنتوں کو بجالانا درست ہوگا مثلاً کسی فرض نماز کی جماعت ہوئی،امام صاحب نے سلام پھیرا،امام صاحب اور مقتدی حضرات مسنون اذکار اور دعاؤں میں مصروف ہوگئے،اچانک کسی نے کہا۔''بیماروں کے لئے دعا کردیں'' یا فلاں شخص بیمار ہے اس کے لئے دعا کردیں'' (وغیرہ) تو کسی کے مطالبے پر دعا کرنا بھی سنت ہے لہٰذا دعا کرنا جائز ہوگا۔

(۶) یاد رکھئے ! ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا نہ تو فرض نماز کا حصہ ہے اور نہ ہی بعد والے اذکار کا حصہ ہے اس لئے اس کا دائمی اہتمام کرنا درست نہیں ہے کیونکہ :

(۷) فرض نماز ایک الگ عبادت ہے اور ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا ایک الگ عبادت ہے اور جب کسی شرعی دلیل کے بغیر: (الف) دو الگ الگ عبادتوں کو ایک مخصوص ترتیب کے ساتھ ہمیشہ ایک ساتھ ادا کیا جائے کہ (ب) دونوں ایک دوسرے کا حصہ معلوم ہوں حتیٰ کہ ایک کے بغیر دوسری کو نامکمل سمجھا جانے لگے نیز (ج) ایک شرعی مسئلے کی طرح لوگوں کو اس کی دعوت،ترغیب

اور تعلیم دی جائے (د) اور جو شخص ان عبادات کو آپ کے طریقے کے مطابق ادا نہ کرے اسے منکر اور گستاخ کے القابات سے نوازا جائے تو آپ راہ سنت سے بھٹک جائیں گے کیونکہ جب مختلف عبادات کو اپنی مرضی سے یکجا کر کے ایک نیا طریقہ رائج کیا جائے گا تو وہ سنت نہیں رہتا، بدعت بن جاتا ہے۔

(۸) بات اصول کی ہے جو کام نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ضروری بھی ہو اور اسے کرنے کے لئے کوئی رکاوٹ بھی موجود نہ ہو پھر بھی پورے عہد نبوت میں اسے کوئی نہ کرے مگر ہم نہ صرف خود اسے ہمیشہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں تو وہ بلا شبہ بدعت ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عہد نبوت میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کا اہتمام کرنے میں کوئی رکاوٹ تھی؟ یقیناً نہیں تھی، پھر بھی اگر کسی فرض نماز کے بعد اس کا کبھی اہتمام نہیں کیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اہتمام نہ کرنا سنت ہے کیونکہ ناممکن ہے کہ ایک چیز دین بھی ہو اور عہد نبوت میں کر سکنے کے باوجود اسے کوئی نہ کرے یا اسے کیا گیا ہو مگر مقبول احادیث کے وسیع ذخیرے میں وہ کسی کو کہیں نظر نہ آئے۔

(۹) انسان فطرتاً سہولت پسند ہے، اسے مسنون دعائیں یاد کرنا ''گراں'' گزرتا ہے اور چونکہ اس کی ''مصروفیات'' بھی بہت زیادہ ہیں لھذا وہ فرض نمازوں کے بعد یکسوئی کے ساتھ پانچ، چھ منٹ نہیں نکال سکتا لہٰذا اس سنت سے پہلو بچانے کے لئے اس کا متبادل ایجاد کر لیا گیا یعنی ''مولوی صاحب سلام پھیرتے ہی ہاتھ اٹھائیں اور چند مسنون و غیر مسنون الفاظ پر مشتمل چھوٹے چھوٹے جملے بولیں اور منہ پر ہاتھ پھیر کر تمام نمازیوں کو ''فارغ'' کر دیں جس کے بعد وہ سب (مسنون اذکار پڑھے بغیر) اٹھ کھڑے ہوں۔''

درحقیقت یہ دعا نہیں، رسم ہے جو انتہائی نیک نیتی سے ہر فرض نماز کے بعد ادا کی جاتی ہے اور اس طرح غیر شعوری طور پر ایک سنت کو مٹانے کا گناہ کیا جا رہا ہے۔ افسوس کہ لوگوں کو بدعتوں پر عمل

کرنے کے لئے تو بڑا وقت مل جاتا ہے مگر سنت کو اپنانے کے لئے وقت نہیں ملتا' جو شخص بدعت کی تردید کرے اسے سرے سے دعا ہی کا منکر بنا دیا جاتا ہے جبکہ سنت کا تارک' اہل السنہ والجماعۃ۔!!!

(۱۰) فرض نمازوں کے بعد مسنون اذکار اور دعاؤں کو چھوڑ کر ان کے متبادل کے طور پر ((لا الہ الا اللہ)) کے اجتماعی ورد اور ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا مانگنے کو اس لئے بھی رواج دیا گیا ہے کہ یہ ہمارے مسلک کی علامت اور پہچان بن جائیں۔ کیا کسی مسلک کے تحفظ کے لئے شرعی مسائل و احکام کے ساتھ اس طرح کھیلنا جائز ہے! اسلام کا حکم کیا ہے! فرقہ واریت کو مٹایا جائے یا اسے فروغ دیا جائے؟

خلاصہ یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا فی نفسہ جائز ہے لیکن اس جائز کا ٹکراؤ ایک سنت سے ہو رہا ہے لہٰذا اسے اپنا معمول نہیں بنانا چاہئے کیونکہ سنت رسول مقبول ﷺ ہی اس بات کا زیادہ حق رکھتی ہے کہ وہ ہر کلمہ گو مسلمان کا معمول، مسلک اور پہچان بنے۔

لہٰذا ہمیں عموماً انہی اذکار اور دعاؤں پر اکتفا کرنا چاہئے جن پر ہمارے پیارے نبی ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ ہمیشہ اکتفا کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، آمین۔ (ع'ر)

(نوٹ) یاد رہے کہ امام کے سلام پھیرنے سے جماعت ختم ہو جاتی ہے مگر نمازیوں کا اجتماع ختم نہیں ہوتا بلکہ ہر نمازی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر عموماً ایک ہی قسم کے مسنون الفاظ پڑھ رہا ہوتا ہے یہی نماز باجماعت کے بعد اجتماعی دعا کا مسنون تصور ہے اور اسی پر سلف صالح کا عمل رہا ہے لیکن یہ بات کہ امام اور مقتدی حضرات لازماً ہاتھ اٹھائیں اور مخصوص مروجہ انداز میں مختصر سی رسم دعا ادا کر کے نمازیوں کو فارغ کر دیں تو یہ کسی طرح درست نہیں ہے۔ (محمد عبد الجبار)۔ (نماز نبوی ۲۱۲۔۲۱۴)

فصل چھارم

خاتمۃ الکتاب

☆ اجتماعی ذکر کے نقصانات

☆ خلاصۂ کلام

اجتماعی ذکر کے نقصانات

اجتماعی ذکر کے کئی نقصانات ہیں جنہیں سمجھنے اوران سے بچنے کی ضرورت ہے :

(۱) **پہلا نقصان** یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے طریقے اور سنت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس سلسلے میں آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے چنانچہ معلوم یہ ہوا کہ یہ بدعت اور گمراہی ہے اور اگر اس میں کچھ بھی بھلائی اور خیر ہوتا تو صحابہ اسے ضرور انجام دیتے اور اس میں کبھی پیچھے نہ رہتے ،اس لئے جو چیز صحابہ کرامؓ کے زمانے میں دین وعبادت نہیں سمجھی گئی آج ہم اسے جائز اور مشروع نہیں قرار دے سکتے۔

(۲) **دوسرا نقصان** یہ ہے کہ اسلامی عادات اور وقار کے خلاف ہے کیونکہ پہلے تو اس میں آدمی کبھی کبھی ادھر ادھر جھومتا ہے اور بسا اوقات رقص وسرود کرنے لگتا ہے اور یہ شکل صوفیوں کی ایجاد کردہ ہے اسلامی وقار اور طور طریقے میں اس طرح کچھ ثابت نہیں ہے اس لئے کسی بھی صورت میں جائز ودرست نہیں ہوسکتا۔

(۳) **تیسرا نقصان** یہ ہے کہ اس سے نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے اور عبادت وتلاوت قرآن کرنے والوں کے لئے خلل کا باعث بنتا ہے بالخصوص جب یہ مسجدوں میں انجام دیا جائے اور عموماً اہل ذکر وصوفیہ اس کے لئے مساجد کو بہترین اور مناسب جگہ سمجھتے ہیں۔

(۴) **چوتھا نقصان** یہ ہے کہ اس سے قرآنی آیات ،مسنون اذکار کی تلاوت وقرأت میں کتر بیونت کی جاتی ہے ایک ساتھ پڑھنے کی وجہ سے کبھی کسی کی سانس کسی جگہ پر ٹوٹتی ہے اور کسی کی دوسری جگہ اور اس طرح یہ لوگ اہل مجلس کا ساتھ لینے کے لئے آیات ،احادیث اور اذکار میں گڑبڑ پیدا کرنے کے شکار ہو جاتے ہیں اور یہ درست نہیں ہے۔

(۵) **پانچواں نقصان** یہ ہے کہ اس میں ایک طرح سے نصرانیوں سے مشابہت ہے جو کہ اسی طرح اکھٹا ہوکر اپنے کنیسوں اور گرجا گھروں میں ایک ساتھ اجتماعی ذکر اور نظم خوانی وغیرہ کرتے ہیں۔ جبکہ نصاریٰ سے مشابہت کے سلسلے میں شدید ممانعت وارد ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نصرانیوں سے مشابہت سے بچنے کے لئے اجتماعی ذکر حرام اور ناجائز ہے۔

(۶) **چھٹا نقصان** یہ ہے کہ بسا اوقات اجتماعی ذکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر گروہ اور جماعت کے لوگ ایک مخصوص شیخ کی اس کے اذکار واوراد میں اتباع کرتے ہیں اگر چہ اس میں بدعات ہی کیوں نہ شامل ہوں چنانچہ دن بدن انکے گروہوں میں دوری اور جدائی بڑھتی جاتی ہے اور یہ بدعت کی نشانی ہے سنت تو لوگوں کو اتحاد اور ایک ساتھ رہنے کی تعلیم دیتی ہے۔

(۷) **ساتواں نقصان** یہ ہے کہ بسا اوقات اجتماعی ذکر کی وجہ سے جہلاء اور عوام الناس جب اس طرح اکھٹا ہوکر کسی کو ذکر کرتا ہوا نہ پائیں گے تو ذکر واذکار ہی چھوڑ دینگے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اس طرح وہ ثواب سے محروم رہ جائیں گے۔

ذکر اجتماعی کے ان مذکورہ نقصانات کی وجہ سے ہمیں یہ یقین ہوجاتا ہے کہ یہ سراسر بدعت وگمراہی ہے، اسلئے امت مسلمہ کو اس سے بالکلیہ دور رہنا چاہئے۔

خلاصۂ کلام

مذکورہ تفاصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اجتماعی ذکر اور اسکی مختلف شکلیں اور صورتیں دین میں بدعت ہیں، اس کی کوئی اصل بنیاد نہیں ہے۔ نہ تو اس طرح کرنا نبی اکرم ﷺ سے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین سے ثابت ہے۔ بلکہ اس کے برعکس صحابہ اور اسلاف سے اس کی نکیر ثابت ہے۔ یہ تو بعد کے ادوار میں مامون رشید کے ہاتھوں وجود میں آیا اور لوگ اس کے عادی ہو گئے۔ جبکہ صحابہ اور اسلاف کے زمانے میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اسی طرح فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ اور اسلاف کرام سے بالتزام ایسا کرنا منقول ہے گذشتہ مباحث میں دلائل کی روشنی میں اللہ کی توفیق سے ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اجتماع ذکر ودعا اور اسکی مجلسوں کا شریعت میں کوئی تصور نہیں اور جن دلائل کا ان لوگوں نے سہارا لیا ہے وہ بے بنیاد، کمزور اور ضعیف ہیں، اور یا تو ان کا صحیح معنی سمجھنے میں یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اسلئے تمام مسلمانوں کو اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سنت پر عمل کرنے اور بدعات سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مؤلف کی دیگر کتابیں

۱۔	نماز جمعہ احکام ومسائل	مطبوع
۲۔	المحرمات	”
۳۔	شیئرز کی خرید وفروخت اسلام کی نظر میں	”
۴۔	اسلامی دعائیں (صحیح دعاؤں کا مستند ومرتب تعلیمی نصاب)	”
۵۔	حیاتِ رحمانی (مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی)	”
۶۔	خطبہ جمعہ میں عصا کی مشروعیت	”
۷۔	صحابۂ کرام فضائل ومناقب حقوق ومراتب	”
۸۔	اجتماعی ذکرودُعا میزان شریعت میں	”
۹۔	مذکرۃ فی تخریج الحدیث النبوی (عربی)	”
۱۰۔	ردبدعت تاریخ کے آئینے میں	”
۱۱۔	بیع مضاربت شراکتی تجارت (پارٹنرشپ) اسلام کی نگاہ میں	زیرطبع
۱۲۔	مسائل بیع وشراء	”
۱۳۔	حضرت ابوھریرۃؓ اور منکرین حدیث	”
۱۴۔	نقوشِ محدثین	”
۱۵۔	الوقف واحکامہ فی الشریعۃ اسلامیۃ (عربی)	”

Published By :
RAHMANI ACADEMY
Gandhi Nagar, Charkop, Kandivli (W), Mumbai - 67, Mob.: 9869395881

صحیح دعاؤں کا مستند ومرتب تعلیمی نصاب

اسلامی دعائیں

ازقلم
ابوالمظفر عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی
استاذ حدیث جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

ناشر
ندیم بک سینٹر، سلفی گلی ۳، گاندھی نگر، چارکوپ، کاندیولی (W)، ممبئی۔ 67